ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ
دسمبر ۲۰۰۱ء
12

سقوطِ کابل اور پاکستان میں دینی جماعتوں کا مستقبل

تہذیب و ثقافت کی جنگ

نعشوں پر اڑتی فاختائیں

طالبان نے کیا کھویا؟

عیدالفطر۔ صدقۃ الفطر

عید کی حقیقی خوشیاں

انسانی حقوق کے علمبردار کہاں ہیں؟

جیت کس کی، ہار کس کی

شرابی اجازت نامے

اسلام اور مدارس عربیہ

اسلام کا ظہور تاریخ عالم کا منفرد واقعہ اور نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اسلام آیا تو اس کو اپنے گھر (مکہ مکرمہ) میں بھی جگہ نہ ملی۔ کفار و مشرکین نے نبی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مدینہ منورہ ہجرت پر مجبور کر دیا۔

پھر آہستہ آہستہ اسلام پھیلا، اس کا پیغام گھروں میں پہنچا، دلوں میں اتر گیا، تجارت و معیشت میں آیا، ترازو پہ قائم ہوا، اور رفتہ رفتہ زندگی کے تمام شعبوں میں چھا گیا۔

پھر مکہ مکرمہ فتح ہوا، مشرکین شکست و ہزیمت سے دوچار ہوئے اور اپنے ہی گھر سے نکالے ہوئے اسلام کو انہوں نے قبول کر لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا اخلاق کریمانہ ان کے رگ و پے میں رچ بس گیا اور وہی لوگ امت کی ہدایت کا ذریعہ بن گئے۔

آج تنزلی کا دور ہے، دم واپسی ہے، ہمیں پیچھے کی طرف لوٹنا ہوگا، اپنا ذہنی، فکری اور اعتقادی سفر مکہ مکرمہ کی طرف ہی کرنا ہوگا۔

آج کے عہد میں دینی مدارس اسلام کے قلعے اور علماء دین کے سپاہی ہیں۔ جو بہر حال قال اللہ وقال رسول ﷺ کی صدائے حق بلند کرنے میں مشغول ہیں۔ اگر کچھ روایات زندہ و باقی ہیں تو انہی مدارس عربیہ میں ہیں۔ جو لوگ دین کا کام کرنا چاہتے ہیں، وہ ان مدارس کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں اور ایسی جماعت تیار کریں جس کا وجود اسلام کی ترقی و استحکام کا ذریعہ بن جائے۔ یہ مدارس اسلام کی لہلہاتے کھیت ہیں۔ جو لوگ ان کھیتوں کو ویران کرنا چاہتے ہیں وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ علماء کو ان دین دشمنوں کے وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ کی طاقت وقدرت اور اس کے بے پناہ خزانوں پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمارے اسلاف نے اللہ کے ماسوا سب کو نظر انداز کر کے کامیابیاں حاصل کیں۔ اپنی افرادی اور مالی قوت کو مجتمع اور محفوظ کریں۔ دشمن کے تمام حربوں سے ہوشیار اور خبردار رہتے ہوئے، اللہ جل شانہ کی ذاتِ اقدس پر توکل ہی ہماری بقاء اور دشمن کی بربادی کی یقینی ضمانت ہے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(ملتان، ۱۹۴۹ء)

روایت: حاجی محمد صدیق صاحب، ملتان

نقیبِ ختمِ نبوّت

ماہنامہ — ملتان

Regd: M. No. 32

جلد ۱۲	شمارہ ۱۲	قیمت ۱۵

بیاد سید الاحرار حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

رمضان المبارک 1422ھ
دسمبر 2001ء

بانی: مولانا سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سیّد عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مدیر مسئول

سیّد محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد اسحٰق سلیمی
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ
سیّد یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ
محمد عمر فاروق

زرِ تعاون سالانہ

بیرونِ ملک 1000 روپے پاکستانی
اندرونِ ملک 150 روپے

رابطہ: دارِ بنی ہاشم ۰ مہربان کالونی ملتان ☎ 061.511961

تحریک تحفظِ ختمِ نبوّۃ — مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سیّد محمد کفیل بخاری ۔ طابع: تشکیل احمد اختر ۔ مطبع: تشکیل نو پرنٹرز ۔ مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان۔

تشکیل

دل کی بات: — سقوطِ کابل اور پاکستان میں دینی جماعتوں کا مستقبل — مدیر — ۳

عالمی منظر خطرناک...... پاکستانی منظر خوفناک — ٦

دین و دانش: — بیس تراویح — ساغر اقبالی — ۹

〃 〃 — عید الفطر، صدقۃ الفطر — مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ — ۱۰

〃 〃 — عید کی حقیقی خوشیاں — مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ — ۱۳

〃 〃 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ زریں نصیحتیں — مولانا محمد زکریا سنبھلی — ۱۵

انتخاب: — امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کا بی بی سی کو انٹرویو — ۲۲

افکار: تہذیب وثقافت کی جنگ — مولانا زاہد الراشدی — ۲٤

〃 〃 کچھ طالبان کے حق میں — ملا معاویہ حنفی — ۲۷

〃 〃 انسانی حقوق کے علمبردار کہاں ہیں؟ — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۳۳

〃 〃 اسامہ بن لادن کے نام — محمد عمر فاروق — ۳۷

〃 〃 جیت کس کی، ہار کس کی؟ — عبدالرشید ارشد — ۳۹

〃 〃 طالبان نے کیا کھویا؟ — ملا معاویہ حنفی — ٤۰

〃 〃 نعشوں پر اڑتی فاختائیں — جاوید چودھری — ٤۵

〃 〃 شرابی اجازت نامے — محمد عابد مسعود ڈوگر — ٤۸

نقد و نظر — سبحانک ھذا بہتان عظیم (مظہری یزیدیت بمقابلہ عباسی یزیدیت) — مولانا ابو ریحان سیالکوٹی — ۵۰

گوشۂ محسن: احرارؒ: سید عطاء المحسن بخاریؒ..... خوشگوار یادیں — مولانا مشتاق احمد — ۵۸

ترحیم: — مسافرانِ آخرت — (ادارہ) — ٦۲

شاعری: — بچے وانگ کلیاں، مسل دتے سارے — خادم حسین — ٦۳

دل کی بات

سقوطِ کابل اور پاکستان میں دینی جماعتوں کا مستقبل

افغانستان میں آگ اور خون کا کھیل ہنوز جاری ہے۔ دنیا کے چالیس سے زائد ممالک نے امریکہ کی قیادت میں متحد ہو کر غریب ترین ملک افغانستان کو، تباہ و برباد کر دیا ہے۔

تاریخ میں انسانی ہلاکتوں کیلئے اتنا بارود کبھی استعمال نہیں ہوا، جتنا افغان سرزمین پر برسایا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں نہتے اور بے گناہ شہری جاں بحق ہوئے۔ تحفظ حقوقِ انسانی کے نام نہاد ٹھیکیدار امریکہ سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ اس نے انسانوں کو بے گناہ کیوں قتل کیا؟ دنیا کی کسی عدالت میں انسانیت کے قاتل امریکہ کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ امریکہ نے اپنے چالیس چور اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان میں جو ظلم اور قتل عام کیا ہے۔ اُسے بہرحال اس کی قیمت چکانا پڑے گی۔ اللہ کی عدالت سے یقیناً عدل ہوگا۔ امریکی اتحادی بھی ظلم کے حصے دار بننے کی سزا بھگتیں گے۔ مکافاتِ عمل شروع ہے اور ''سب سے پہلے پاکستان'' اس کی زد میں ہے۔

ہماری حکومت نے جو پالیسی اپنائی اور اپنے لئے جہاں کھڑا ہونا پسند کیا، اس کے نتائج پوری قوم بھگت رہی ہے اور مزید بھگتے گی۔ ملکی دفاع و سلامتی، اعتقادی و جغرافیائی سرحدات، سب کچھ غیر محفوظ ہو گیا ہے۔ امریکہ مکمل طور پر ہمارے معاملات میں نہ صرف دخیل ہو گیا ہے بلکہ ہم پر قابض ہو گیا ہے۔

طالبان کی حکومت کا خاتمہ دراصل امارتِ اسلامیہ کا خاتمہ ہے۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد امتِ مسلمہ کو سب سے بڑے صدمے اور گہرے زخم سے دوچار کیا گیا ہے۔ خلافت عثمانیہ، نصرانیوں اور یہودیوں نے ختم کی تھی تو آج امارت اسلامیہ بھی انہی دونوں نے مل کر ختم کی ہے۔ مسلمانوں میں سے غدار تب بھی انہیں میسر آ گئے تھے اور آج بھی ارزاں دستیاب ہیں۔ طالبان کی پسپائی اندرونی اور بیرونی غداروں کی کوشش و کاوش ہی کا شاخسانہ ہے۔ ''سقوطِ کابل''..... ''سقوطِ ڈھاکہ'' سے بڑا سانحہ ہے۔ یہی نہیں...... یہ بہت سے آئندہ سانحوں کا پیش خیمہ ہے۔ پاکستان کی دینی جماعتوں اور دینی مدارس کے بارے میں حکمرانوں کا لہجہ جارحانہ اور غیر شریفانہ ہو گیا ہے۔ آخر امریکہ کا اتحادی ہونے کا کوئی نتیجہ تو نکلنا ہے۔ صدر مملکت فرماتے ہیں:

۱۔ اب انتہا پسندوں کو برداشت نہیں کیا جائے گا

۲۔ چند شدت پسندوں نے پوری قوم کو یرغمال بنا رکھا ہے

۳۔ جلد ہی ان کے خلاف ایکشن لیں گے

انہوں نے ایک ہی سانس میں کتنی ساری باتیں کہہ ڈالی ہیں۔ وزیر خارجہ تو بہت ہی بے باک ہوگئے ہیں۔ اُن کے بس میں ہوتو وہ ایک ہی جست میں پاکستان کے تمام دینی مدارس اور دینی جماعتوں کو پیس کر رکھ دیں۔ کیونکہ امریکہ کا حکم یہی ہے۔

یہ امتحان کا وقت ہے۔ تمام دینی جماعتوں کے سربراہوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔ ہمیں اس امتحان میں سرخرو ہونا ہے۔

ہم، جو اعتدال پسند ہیں ــــــ امن پسند ہیں ــــــ محب وطن ہیں ــــــ پھر ہمیں ہی الزام و دشنام کیوں؟ وہ جو، ملک و قوم کے غدار ہیں ــــــ دین سے بیزار ہیں ــــــ وہ سب آزاد ہیں ــــــ کہ ''سنگ و خشت ہیں مقید اور سگ آزاد''

ہمیں اپنے آئینی حقوق کی بحالی اور تحفظ کی طرف توجہ کرنا ہوگی۔ اپنی سیاسی قوت کو مجتمع بھی کرنا ہوگا اور ان تمام مسائل کا سیاسی حل بھی تلاش کرنا ہوگا، لیکن سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر، ہمیں ڈنڈے والوں کے آگے آگے اور پیسے والوں کے پیچھے پیچھے چلنے کا ''جمہوری کلچر'' چھوڑنا ہوگا، ہمیں اُس وی آئی پی کلچر، اُس دم چھلا سیاست اور اُس طفیلی زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجنا ہوگی، کہ جس نے گزشتہ کئی عشروں سے دین کے بہت سے نام لیواؤں کو جاگیرداروں کا مزارع، صنعت کاروں کا ملازم، بیوروکریسی کا آلہ کار اور ساہوکاروں کا مرغ دست آموز بنا رکھا ہے۔ ہمیں ''مراعات'' کی بھیک اور مفادات کی چھینا جھپٹی چھوڑنا ہوگی۔ ہمیں مساجد، مدارس اور تعلیم قرآن و حدیث کو بہر قیمت بچانا ہوگا۔ ''بہر قیمت'' اس لئے کہ.... زندگی، اعلیٰ اور برتر زندگی، سچی اور مقبول زندگی کی قیمت، بہر حال چکائی جاتی ہے۔ اور اب وہ وقت آ ہی پہنچا ہے۔

بہ حالات موجودہ، جہادی تنظیموں کا رول بہت حد تک ''سوالیہ نشان'' ہوگیا ہے۔ مجاہدین کرام! آپ کو بھی فوری طور پر اپنے رویوں پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ امارتِ اسلامیہ نہیں رہی تو آپ اب کشمیر میں کیا کریں گے؟ جب اقتدار فوج کے پاس ہے، سارا ملک ان کے قبضے میں ہے تو آپ کشمیر میں کیا کر رہے ہیں؟ آپ واپس آ جائیے۔ سرحدوں کی ''حفاظت'' بھی فوج کرے گی۔ آپ واپس نہ آئے تو آپ کو ہندو اور ''مسلمان'' دونوں مل کر قتل کریں گے۔ امریکہ و برطانیہ اور دیگر کافر اتحادیوں نے تو آپ کو دہشت گرد قرار دے دیا ہے۔ واجپائی اور امریکہ کی بولی ایک ہوگئی ہے، بلکہ کشمیر کے علاوہ ہر معاملے میں واجپائی اور پاکستانی حکمران متفق و متحد ہوگئے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان جہاد نہیں دہشت گردی کر رہا ہے۔ پاکستان کو بس معمولی سا اختلاف ہے کہ کشمیر میں دہشت گردی نہیں جہاد ہو رہا ہے۔ جس دن یہ اختلاف امریکہ نے ختم کرا دیا، اس دن آپ کہاں کھڑے ہوں گے؟ ایک فیصلہ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے پر آپ کے اور ہمارے مشترکہ اسلاف نے کیا تھا۔ اور اب ایک فیصلہ امارتِ اسلامیہ کے خاتمے پر آپ کو اور ہمیں کرنا ہے۔ نئی سوچ، نئی حکمت اور نئی تدابیر کے ساتھ منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے (آمین)

✿ ✿

ملک وزیر غازی ایڈووکیٹ

سقوطِ کابل (ایک تأثر)

۱۶؍ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان پر بجلی گری تھی اور ہم جل کر راکھ ہو گئے تھے۔
یاد کرو! اس وقت ایک فوجی یحییٰ خان نے ملک کو جکڑا ہوا تھا۔
اب کابل ڈوب گیا ہے
بزم عالم میں مسلمان بے آبرو کھڑا ہے
عزت سے محروم، بے لباس!
سوچو! ہم پر یہ ذلت کس نے مسلط کی ہے؟
صرف ایک فرد نے......
جو چودہ کروڑ مسلمانوں کی تقدیر کا مالک بنا ہوا ہے
جو کسی مشورے کا پابند نہیں ہے
جو کسی دستوری ادارے کو تسلیم نہیں کرتا
جو صرف امریکہ کے سامنے جھکتا ہے
نتیجہ....؟
ہم خوار و زبوں ہیں!
ایسے کڑے وقت میں
آؤ! دعا کریں
اے رب کائنات!
ہم پر رحم فرما!
''اے خاصۂ خاصانِ رسل، وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے''

فیض احمد فیض

''کابل''☆

......(؟)......

اب کوئی طبل بجے گا، نہ کوئی شاہسوار
صبحدم موت کی وادی کو روانہ ہوگا
اب کوئی جنگ نہ ہوگی کبھی رات گئے
خون کی آگ کو اشکوں سے بجھانا ہوگا

کوئی دل دھڑکے گا شب بھر نہ کسی آنگن میں
وہم، منحوس پرندے کی طرح آئے گا
سہم، خونخوار درندے کی طرح آئے گا

اب کوئی جنگ نہ ہوگی مے و ساغر لاؤ
خوں لٹانا نہ کبھی اشک بہانا ہوگا
ساقیا! رقص کوئی رقصِ صبا کی صورت
مطربا! کوئی غزل رنگِ حنا کی صورت

....

☆فیض مرحوم کی نظم ''سنکیانگ'' ____ عنوان کی تبدیلی کے ساتھ!

عالمی منظر خطرناک....... پاکستانی منظر خوفناک!

(مہمان اداریہ)

افغانستان میں طالبان کے خلاف، امریکہ پر ۱۱ ستمبر کو خودکش ہوائی حملے کے بعد، جو فوجی اقدام شروع کیا گیا تھا، وہ اب اپنے غیر فطری انجام کو پہنچ رہا ہے۔ طالبان نے بظاہر ''سٹریٹجک'' پسپائی جاری رکھی ہوئی ہے لیکن اس میں معاملہ ختم ہو جانے کے آثار نظر آ رہے ہیں اور نئے مسائل ابھر رہے ہیں۔ دوسری طرف امریکہ نے شمالی اتحاد کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور اور اب جو دورِ ستم شروع ہوا ہے تو اس میں خود امریکی کمانڈوز بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مزار شریف کے قلعہ جھنگی میں غیر ملکی مجاہدین کے قتل عام کی لرزہ خیز تفصیلات امریکی اور مغربی میڈیا افراط سے دکھا رہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ۴۵۰ سے ۸۰۰ مجاہدین کو شہید کیا گیا۔ تہہ خانے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی ہے، شہیدوں کی لاشوں پر گولیاں چلائیں گئیں، ایک زخمی مجاہد کو سانس لیتے دیکھا تو فوجیوں نے اس کا سر پتھروں سے پاش پاش کر دیا۔ عالمی ریڈ کراس کی اجازت سے قلعہ جھنگی میں جانے والے صحافیوں نے اپنے اخبارات میں صورت حال کی ہولناک منظر کشی کی ہے۔ عالمی ایمنسٹی نے اس قتل عام کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ اخبار ''انڈیپنڈنٹ'' نے لکھا ہے کہ ''امریکہ جو چاہتا تھا ایسے ہی ہوا ہے'' یعنی افغانوں کے ذریعے غیر ملکی مجاہدوں کا قتل عام! مسلسل ہولناک بمباری سے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے اور ہزاروں کی تعداد میں انسان کشی کرنے کے بعد اب ''انکل سانپ، معاف کیجئے، سام'' مزار شریف میں ''قتل عام'' پر بڑی بے نیازی سے معافی مانگ رہا ہے تو یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کیونکہ نہ امریکہ نے جفا سے توبہ کی ہے اور نہ اس نے پشیمانی کا رتی بھر احساس کیا ہے بلکہ امریکہ کے سب سے بڑے حلیف اور حاشیہ بردار برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر ماضی سے بغاوت کرتے ہوئے، ایک نئے ''ورلڈ آرڈر'' کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ جارج ڈبلیو بش نے ۱۱ ستمبر کے خودکش ہوائی حملے کے بعد ردعمل کے لاشعوری لاوے میں ''کروسیڈ'' (صلیبی جنگ) کے آغاز کا اعلان بھی کر دیا تھا لیکن بعد میں وہ مذہبی عظمتوں کے سلسلے میں اسلام کا نام جپنے لگے اور امریکی سفارتخانوں میں افطاریاں کرانے لگے۔ وینڈی چیمبرلین نے روزے رکھنے کا تاثر دیا لیکن دوسری طرف

انہوں نے افغانستان کے خلاف فوجی آپریشن کے سپریم کمانڈر کا منصب سنبھال لیا اور پورے افغانستان کو تودۂ خاک اور کابل کو لاشوں کا شہر بنادیا۔ ان کے دوسرے اہم ترین معاون اور ایجنٹ ٹونی بلیئر نے عیسائی مبلغ کا کردار سنبھال لیا ہے اور وہ ایسا ورلڈ آرڈر تشکیل دینے کے آرزومند ہیں جو ماضی کی سختی کے ساتھ ساتھ عیسائی سوشلزم کی اخلاقیات پر مشتمل ہو۔ سادہ الفاظ میں یہ "مارشل عیسائیت" کا نظام ہے، جس کے ڈانڈے ۲۰۰۱ء میں "کروسیڈ" سے جا ملتے ہیں۔ انگریزی جریدہ "نیوز ویک" کے مطابق ٹونی بلیئر دنیا کا جو نقشہ دیکھتے ہیں اس میں مذہب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ چرچ جاتے ہیں اور ہر روز دعا میں شریک ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں انہوں نے کرسچین سوشلزم موومنٹ میں شرکت اختیار کی اور ابھی تک اس کے رکن ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ۱۹۹۵ء میں انہوں نے ایک صحافی کو بتایا تھا کہ "ان کی سیاست اور ان کی عیسائیت ساتھ ساتھ چلتے ہیں"۔ مغربی معاشرے کی دورنگی اور امریکی دوغلے پن کی یہ مثال کلاسیکی حیثیت رکھتی ہے کہ وہاں سیاست اور مذہب ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں لیکن جب مسلمان علامہ اقبالؒ کے اس قول کو دہرائیں کہ.......

"جدا ہو دیں سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

تو انہیں بنیاد پرست قرار دیا جاتا ہے اور وہ گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔ افغانستان میں طالبان اپنی قدیم ترین رسوم ورواج اور اسلام کی تعبیروں پر عملدرآمد کریں تو ان کو کارپٹ بمباری کا نشانہ بنادیا جاتا ہے۔ توحید کے متوالوں اور اسلام کے دیوانوں کو روئے زمین سے مٹانے کیلئے بے دریغ قتل وغارت گری شروع کردی جاتی ہے۔ افسوس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمان ممالک فی الوقت غیر منظم اور غیر متحد ہیں۔ سیاہ تیل کی طاقت اور امریکی بنکوں میں اپنے پٹیرو ڈالرز کی افراط کے باوجود وہ کمزور ہیں اور ان کی اس قدرتی طاقت کو بھی امریکہ مسلمان ممالک کو لڑانے کیلئے استعمال کررہا ہے۔ امہ نہتی ہے، ناکارہ ہے، منفعل ہے، ان کا نمائندہ ادارہ تنظیم اسلامی کانفرنس اپنی آزاد سوچ اور اسلامی حمیت اور دینی غیرت سے عاری ہے اور آئندہ کا کوئی واضح نقشہ مسلم امہ کے سامنے نہیں ہے، نہ تشکیل دیا گیا ہے۔ بے بسی، لاچاری، عدم تحرک اور عدم فعالیت کے اس عالم میں غنیمت ہے کہ سعودی عرب نے اپنے اسلامی تشخص کو نمایاں کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ہم قرآن کی خدمت کیلئے اپنی زندگیاں قربان کردیں گے اور دنیا میں صرف سعودی عرب ایسا ملک ہے، جہاں اسلامی قوانین پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے"۔ سعودی عرب کا ردعمل مبنی برحقیقت ہے لیکن یہ کافی نہیں کیونکہ اس نے امریکی فوجوں کو اپنی سرزمین پر جگہ دے کر ایک اسلام دشمن طاقت کو اپنے سر پر سوار کررکھا ہے اور اب تو امریکہ کا "تھنک ٹینک" سعودی عرب اور مصر میں تبدیلیاں رونما کرنے کی ضرورت بھی ظاہر کررہا ہے اور اس تبدیلی کیلئے بہانے تلاش کئے جارہے ہیں۔ الزام لگایا جارہا ہے کہ ۱۱ ستمبر کے بعد سعودی عرب کی حکومت دہشت گردی کو روکنے کیلئے اقدامات نہیں کررہی۔

عالمی سطح پر الزامات در الزامات اور عمل درعمل کے اس سینیریو (Scenario) میں پاکستان کے حالات زیادہ سنگین نظر آتے ہیں۔ ان دنوں پاکستان کی حکومت، جن خبروں کو ابھار رہی ہے ان کی وحشت سرخیوں سے ہی ظاہر ہے۔ آج کے اخبارات کی چند سرخیاں حسب ذیل ہیں۔

☆....... انتہا پسندوں کے خلاف اگلے ماہ سے کریک ڈاؤن۔

☆....... بہت ہو گیا، انتہا پسندی برداشت نہیں کی جائے گی۔

☆....... ایکشن کا وقت آ پہنچا۔

☆....... حساس ادارے مذہبی عناصر پر کڑی نظر رکھیں۔

بالکل یہی زبان بھارت کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی پاکستان کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ اور پاکستان اس سے مذاکرات کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دہشت گردی کا بہانہ بنا کر امریکہ نے افغانستان پر چڑھائی کر دی ہے، اسی طرح ہماری حکومت انتہا پسندی کی آڑ لے کر، خدانہ کرے خود اپنے شہریوں پر ''کریک ڈاؤن'' کرنے والی ہے، جس سے رہی سہی یکجہتی کے ختم ہونے کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے اور ملک داخلی انتشار کی طرف بڑھتا نظر آتا ہے۔ امریکہ نے اپنی آشیرباد یا دھمکی سے پاکستان سے جو کام لینا تھا وہ لے چکا ہے، اب وہ اس کے ساتھ ''یوز اینڈ تھرو'' جیسا سلوک کر رہا ہے تو ہمیں حالات کا جائزہ تحمل اور برداشت کے جذبے سے لینا چاہیے اور کنٹرول لائن پر بھارتی حملوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ واجپائی کے، اپنی فوج کو مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کیلئے حل کر دینے کے حکم کی چیتاونی کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے ہی روڈ میپ کے مطابق جمہوریت اور عام انتخابات کیلئے صدر صاحب کے پاس اب صرف دس ماہ رہ گئے ہیں تو انہیں ملک کے تمام طبقات سے جن میں سیاسی اور دینی جماعتیں شامل ہیں، مشاورت کرنی چاہیے اور صلح وصفائی سے ایسا راستہ نکالنا چاہیے جس سے ''انکل سام'' کو اپنے ساز و سامان سمیت سرزمین پاک سے رخصت کیا جا سکے۔ مشرق میں بھارت کے خطرے کے ساتھ اب مغرب سے ربانی کے نہیں، دوستم کے اصل شمالی اتحاد نے جس خطرے کو ابھارنا شروع کیا ہے، اس کا سامنا کرنے کیلئے پوری قوم متحد ہو اور فوج نے اپنے گھوڑوں کا منہ اپنے ہی معزز، محب وطن اور قابل احترام شہریوں کی طرف کرنے کی بجائے دشمن کی طرف کیا ہوا ہو۔ اور آنے والی جنگ کے اپنے اصلی گھوڑوں کو قرآنی حکم کے مطابق نہ صرف تیار رکھنا چاہیے بلکہ ان میں اضافہ کرنا چاہیے۔ گھر بٹھائے ہوئے ان گھوڑوں کے سائیسوں کو اب پھر ایکٹو سروس پر بلا لینا چاہیے، ڈبل ڈیوٹی کیلئے۔

(بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'' ملتان ۳۰/نومبر ۲۰۰۱ء)

❁ ❁ ❁

بیس تراویح

ساغر اقبالی

''تراویح'' ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ بمعنی ایک دفعہ آرام کرنا، رمضان کی راتوں میں با جماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے۔خود تراویح صیغہ بتا رہا ہے کہ تراویح کی رکعات آٹھ سے زائد ہیں۔ چونکہ چار رکعت ایک ترویحہ اور آٹھ رکعت ترویحتین، بارہ اور اس سے زائد رکعات تراویح۔

قرآن مجید کی علامت ''رکوع'' اس لئے رکوع کہلاتی ہے کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے۔ پورے قرآن پاک میں پانچ سو چالیس رکوع ہیں، اسی طرح اگر بیس تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع کیا جائے، پورے قرآن پاک میں پانچ سو چالیس رکوع ہیں۔اسی طرح اگر بیس تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں شب میں قرآن کریم ختم ہوسکتا ہے۔(20 تراویح X 27 شب = 540 رکوع) اسی طرح بوڑھے، بیمار اور ضعیف افراد بھی بڑی آسانی سے تراویح پڑھ سکتے ہیں۔

اس سب کے باوجود اس مقدس اور بابرکت مہینے میں بعض دوست آٹھ رکعتوں پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور اپنے اس عمل کیلئے مختلف دلائل دیتے ہیں، مثلاً یہ کہ بیس رکعات کی تعداد حضرت عمرؓ کے عہد میں مقرر ہوئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ عہدِ فاروقیؓ کی تراویح کی کیفیت اور باقاعدہ جماعت کا عمل تو قابل قبول ہے لیکن عہدِ فاروقی کی تراویح کی تعداد قبول نہیں۔

جبکہ .... ''حضرت عثمانؓ کے عہد مبارک میں بھی بیس تراویح کا معمول رہا، حضرت علیؓ نے بھی اپنے مبارک دور میں بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا'' (بیہقی: عدد رکعات القیام فی رمضان)

حضرت سفیان ثوریؒ اور ابن مبارکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس تراویح پڑھتے دیکھا، حرم پاک میں حضرت عمرؓ کے زمانے سے لے کر آج تک بیس تراویح کا معمول چلا آرہا ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ بھی بیس تراویح ہی پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ مرتب: سید محمد کفیل بخاری

عیدالفطر .... صدقتہ الفطر

(فضائل، احکام، مسائل)

تمہید: عید الفطر بھی دیگر عبادات و امتیازات دینیہ کی طرح ایک عظیم اسلامی شعار، ایک دور رس اخلاقی نصاب ایک مسنون تفریح اور قومی مسرت اور خوشی کا مبارک دن ہے، جسے دنیاداروں کے معمولات کے بالعکس اللہ نے بجائے ایک تہوار کے عبادت کی اہمیت برقرار رکھتے ہوئے اس میں بہ قدر ضرورت تفریح کی آمیزش کر کے اسلام کی فوقیت و عظمت کو دوام بخش دیا ہے۔

ہر مرغوب و محبوب شے کے حصول اور عزیز مقصد کے انجام پانے پر جب فطرۃً خوشی نصیب ہو تو دستور ہے کہ اس کے اظہار کی کوئی نہ کوئی صورت اور تدبیر ضرور اختیار کی جاتی ہے۔ اسلام نے بھی دین فطرت ہونے کی وجہ سے اس معصوم انسانی جذبہ کی پوری قدر کی اور دین فطرت کی قائل امت مرحومہ کی دلداری و عزت افزائی فرمائی۔ چنانچہ رمضان المبارک کے پاکیزہ اور پاک کن مہینے میں مختلف قسم کی شبانہ روز عبادت و ریاضت خوش اسلوبی سے مکمل کرنے پر یکم شوال کے دن چند خاص اعمال پر مشتمل ایک مظاہرہ مسرت و تفریح قانوناً مقرر کر دیا ہے۔

تحفہ عبودیت: اپنی عزت و جاہت کیلئے نہیں بلکہ حصول اجر و ثواب کی نیت کے ساتھ سچے دل سے دیئے ہوئے عطیہ کو صدقہ کہتے ہیں۔ اور ''فطر'' کا معنی ہے ٹوٹنا، کھلنا، جدا ہونا، تو صدقۃ الفطر کا مطلب ہوا۔ ماہ صیام کے جدا ہونے، روزہ کا عمل ٹوٹنے نیز کھانے پینے اور میاں بیوی کے میل جول کی بندش کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خلوص قلب سے پیش کیا ہوا ''ہدیہ تشکر''

ہر چھوٹا بڑے کیلئے اور ہر ممنون اپنے محسن و مربی اور مرکز عقیدت تک کوئی تحفہ اور عطیہ کسی ذریعہ اور واسطہ کے ساتھ ہی پہنچانے جاتا ہے اور اس عمل کو اپنا فطری اور اخلاقی فرض اور موجب سعادت اور باعثِ خیر و برکت عمل یقین کرتا ہے۔ بعینہ اسی طرح فرمانبردار مخلوق جب خالق مطلق اور رب رحیم و کریم کے حضور اپنی بندگی اور توفیق عبادت و ریاضت کی نعمت نصیب ہونے پر اظہار سرور فرحت کیلئے جبہ سائی کا ارادہ کرے تو فقراء و مساکین کا معروف طبقہ کہ جن لوگوں کی حالت عجز و احتیاج، پروردگار کو بڑی محبوب ہے۔ ان کو اپنا وکیل اور نمائندہ بنا کر بارگاہِ صمدیہ کے مناسب ہدیہ نیاز پیش کرنے پر فطرۃً اور قانوناً مامور و مجبور ہو جاتی ہے، یہ حاصل ہے، صدقۃ الفطر کی قانونی رسم اور شرعی ضابطہ کے اداء و تکمیل کا

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں تازندگی اس روحانی فصل بہار سے دل و دماغ اور جسم و جان کیلئے کسب فیض

ونور کا موقع ملتا ہے۔ ورزقنا اللہ ابداً........ آمین! ہم سب کو اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرنی چاہیے۔

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا نصاب: ہر آزاد، عاقل، بالغ مسلم جو گھریلو ضروریات کے علاوہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے نقدروپیہ یا سونے یا اتنے وزن کے چاندی کے زیور یا اتنی قیمت کے سامان یا جائیداد یا تجارتی مال کا مالک ہو یا اس کے پاس موجود تمام اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے یا پھر وہ بجائے چاندی کے ساڑھے سات تولے سونے یا اتنی وزن کے سونے کے زیورات کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ کی طرح عید الفطر کے دن نماز فجر کا وقت آتے ہی صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اتنی مالیت پر زکوٰۃ کی طرح سال گزرا ہونا ضروری نہیں۔

صدقۂ فطر: ہر میاں بیوی پر صرف اپنی ذات کی طرف سے اور اپنے بے مال غیر بالغ یا بالغ مگر مجنون اولاد نیز اپنے لونڈی غلام اور نوکر اور خادمہ وغیرہ کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے۔ مال دار بالغ اولاد اور باقی گھر والے اپنے صدقہ خود ادا کریں۔ البتہ ان کا وکیل بن کر صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا درست ہے اور اگر کسی شخص نے بغیر ایک دوسرے کی اجازت کے از خود ہی اس کی طرف سے دے دیا تو وہ ''صدقہ نفلیہ'' بن جائے گا اور اصل آدمی پر صدقۃ الفطر بدستور واجب رہے گا۔ اس کو مستقلاً ادا کرنا ضروری ہے۔

عورت شریعت کے مطابق چونکہ اکثر احکام میں مرد کی طرح مستقل شخصیت وحیثیت کی مالک ہے۔ چنانچہ نقد اور غیر نقدی مال وغیرہ کے جمع اور خرچ میں اس کی ملکیت وحیثیت بھی مستقل ہے۔ لہٰذا اس پر صرف اپنی ذات کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے، اپنے شوہر اور اولاد کی طرف سے نہیں! اور اگر گھر میں صرف اس کے خاوند نے صدقہ ادا کیا تو اس سے عورت پر واجب شدہ صدقہ ادا نہیں ہوگا بلکہ اسے بہر حال اپنی زکوٰۃ، عشر اور قربانی کی طرح اپنا یہ صدقۃ الفطر بھی خود ہی براہ راست لازماً ادا کرنا پڑے گا ورنہ وہ گناہگار ہوگی۔

صدقہ فطر میں پونے دو سیر گندم (احتیاطاً دو سیر) یا گندم کا آٹا یا ساڑھے تین سیر جو (احتیاطاً چار سیر) یا جو کا آٹا اور ستو یا ان کی قیمت حاضر نرخ کے مطابق دینا واجب ہے۔ فقراء کی ضرورت کے لحاظ سے نقد پیسے دینا اولیٰ اور بہتر ہے تا کہ وہ غریب خود بھی کچھ خرید کر عید کی خوشی میں براہِ راست حصہ دار بن سکے۔

نماز عید سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا افضل اور مستحب ہے اور عید سے ایک دو روز قبل بھی ادا کرنا جائز ہے۔

صدقہ فطر کے مستحق........ غیر مستحق: رشتہ داروں میں حقیقی دادا، دادی، ماں، باپ، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی میں سے کسی کو صدقہ فطر اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں، ایسے ہی شوہر، بیوی ایک دوسرے کو صدقہ فطر نہیں

دے سکتے۔اس کے علاوہ دیگر محتاج ومسکین عزیز و اقارب میں سے سوتیلے دادا، دادی، سوتیلے ماں، باپ، حقیقی چچا، چچی، پھوپھا، پھوپھی، ماموں، ممانی، خالو، خالہ، حقیقی بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، اپنے سسر، ساس، سالہ، سالی اور بہنوئی سب کو زکوٰۃ عشر کی طرح صدقۃ الفطر دینا جائز ہے۔

سادات قریش کی پانچ شاخوں کو صدقہ فطر سمیت تمام صدقات واجبہ، زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں۔حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''تمام صدقات، محمد اور آل محمد (ﷺ) کیلئے حلال نہیں۔سادات بنو ہاشم کی پانچ شاخیں یہ ہیں (۱) آل علی (۲) آل عباس (۳) آل جعفر (۴) آل عقیل (۵) آل حارث (حضور ﷺ کے سب سے بڑے سوتیلے چچا حارث بن عبدالمطلب کی اولاد)

عید کے دن مسنون اعمال: (۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) حسب استطاعت کپڑے پہننا (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو جلدی اٹھنا (۷) عیدگاہ میں جلدی جانا (۸) عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا کھجور یا چھوارے کے طاق دانے کھانا مستحب ہے (۹) نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا (بہ عذر شرعی شہر کی مسجد میں پڑھنا) (۱۱) ایک راستہ سے عیدگاہ جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا (۱۲) عیدگاہ جاتے ہوئے راستہ میں اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد آہستہ آہستہ کہتے ہوئے جانا۔(سواری کے بغیر پیدل عیدگاہ جانا)

نماز عید کے احکام: نماز عید کا وقت طلوع آفتاب یعنی اشراق کی نماز کے وقت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔نماز عید سے قبل کوئی بھی نفل نماز گھر یا مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔یہ حکم عورتوں اور ان لوگوں کیلئے بھی ہے جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھ سکیں۔نماز عید سے پہلے نہ اذان کہی جاتی ہے، نہ اقامت۔یہ خلاف سنت اور بدعت ہے۔

طریقہ نماز: دو رکعت نماز عید واجب مع چھ تکبیرات زائدہ کی نیت کر کے امام کے ساتھ پہلی تکبیر پر ہاتھ باندھ کر سبحانک اللھم آخر تک پڑھ لیں۔پھر دوسری اور تیسری تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر ہاتھ باندھ لیں، اب امام سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھ کر پہلی رکعت مکمل کرے گا۔دوسری رکعت میں امام جب فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لے تو اس کے ساتھ تینوں تکبیرات میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چھوتھی تکبیر پر بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع کر لیں۔پھر باقی ارکان سمیت نماز پوری کر لیں۔بعد از نماز حسبِ دستور دعا بھی مانگ لیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

محسن احرار حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ

عید کی حقیقی خوشیاں

خوشی کے دن، خوشی کی راتیں لوٹ لوٹ کر آتی ہیں، دلوں کو لبھاتی ہیں، اسی کا نام عید ہے اور اس عید کو سویوں والی عید بھی کہتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دن فرشتوں کے سردار اپنے لاؤلشکر سمیت ملکوتی صفات سے مرصع زمین کو زینت بخشتے ہیں اور اس کی رونقوں میں ہزاروں گنا اضافہ کرتے ہیں۔ چوراہوں، موڑوں اور راستوں پر چلنے والے روزہ داروں، قرآن خوانی کرنے والوں، رمضان کی مقدس راتوں کو جاگنے والوں، تہجد میں قرب الٰہی کی ساعتوں میں اپنے اور امت کیلئے بخشش مانگنے والوں پر مبارک باد کے ڈونگرے برساتے ہیں۔ اللہ کی رضا، مغفرت، رحمت، آگ سے آزادی کا مژدۂ جانفزا سناتے ہیں، ایسے لوگوں کو اجر آخرت کے بے مثال تحفے کی بشارت دیتے ہیں۔ لیلۃ القدر کی تلاش میں فکر مند رہنے والوں کو ابدی راحتوں کا سندیسہ دیتے ہیں۔ یہ سندیسہ ایسے خوش بخت لوگوں کو ملتا ہے، اطاعت و اتباع جن کے خون میں شامل ہو جاتی ہے، بندگی جنہیں راس آ جاتی ہے، خواہشیں، لذتیں اور شہوتیں دفن کرنے کا سلیقہ جن کی خو بن جاتا ہے۔

کوئی لبرل، کوئی سیکولر، کوئی فری تھنکر اور آوارہ خرام یہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا...... جب تک یہ جسمانی زندگی، یہ دنیاء فانی، یہ عارضی حیات ہے تو اس کی بہاریں رنگ بکھیرتی رہیں گی، اس کے حسین رنگ خوبصورتی میں اضافہ کرتے رہیں گے، حیات تازہ کا پیغام دیتے رہیں گے۔ خوشی، اچھا لباس پہننے، اچھی خوراک کھانے، اچھے مکان میں رہنے کا نام نہیں۔ گانے بجانے، ناچنے اچھل کود اور آوارگی، مست خرامی، گھوما گھامی کا نام نہیں۔ یہ تو کفار و مشرکین کی علامتیں ہیں۔ یہ ان کی ثقافت ہے، کافروں کا کلچر ہے، مشرکین کی سولائزیشن ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت دنیا بھر کی قوموں سے منفرد ہے، ممتاز ہے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اہل مدینہ کی اچھل کود دیکھ کے فرمایا: ”یہ کیا ہے“؟ مدینہ والوں نے عرض کیا کہ یہ ہماری عید ہے اور یہ خوشیوں کا حاصل ہے۔ اللہ کے عظیم الشان نبیؐ نے فرمایا: ”ہمیں اللہ نے اس سے بہتر عید عطا فرمائی ہے، جس میں عباداتی غلبہ بھی ہے اور فرحت و انبساط بھی ہے“۔ دین کا کمال ہی یہ ہے کہ دین نے ہمیں زندگی کی تمام جائز لذتوں، فرحتوں، راحتوں اور خوشیوں سے لطف اٹھانے کا مکمل حق دیا ہے۔ حیوانیت کا بت لذتیت پاش پاش کیا ہے۔ کفار و مشرکین جیسی سولائزیشن اور طرز زندگی پر پابندیاں عائد کی ہیں۔ انہیں پابندیوں کی اطاعت و قبولیت ہی عبادت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص، سعادت مند ہے وہ معاشرہ، جو اپنی خوشیوں کو بھی عباداتی اداؤں سے مزین کرتا ہے۔ اللہ سے تعلق نہیں توڑتا، شیطانی اعمال میں غوطہ زن نہیں ہوتا بلکہ اللہ رحمٰن

ورحیم کوخوش کرتا ہے۔شیطان کی خوشیوں کو دوبالانہیں کرتا، نافرمانیوں کے گندے جوہڑ میں ڈبکیاں نہیں کھاتا، لوگوں کو دعوت گناہ نہیں دیتا، گناہ کے کاموں پر مال خرچ کر کے شیطان کا بھائی نہیں بنتا۔اللہ پاک نے ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے۔ یہ شیطان کے بھائی ہی تو ہیں جو پورے ملک میں شیطانی صفتوں کو پھیلانے میں مشغول ہیں۔لوگوں کی ناموس لوٹتے ہیں، ان کی عزت و آبرو نوچتے ہیں، انسانی جانوں کو بھنبھوڑتے ہیں اور اپنی ابلیسی خواہشات کی تکمیل کیلئے عصمتیں تارتار کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کا بہت بڑا حادثہ یہ ہے کہ ایسے موذی ہی اقتدار کے حاشیہ نشین بھی ہوتے ہیں ،ایسے افراد ہی ترقیوں کی منزلیں بھی طے کرتے ہیں، سرکاری خزانے پر شیخی مارتے ہیں اور نبوی اقدار کا خون کرتے ہیں ،معاشرے میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ایسے خبیث و بدخصلت لوگوں سے اللہ اپنی پناہ میں رکھے (آمین) اس ملک کو ان کے ناپاک سائے سے بچائے۔ پاکستان، پاک تبھی ہوگا، جب ایسے ناپاک، ناہنجار و ناہموار وطن کی بھینٹ چڑھا دیئے جائیں گے۔

عید کے دن ایک اہم کام یہ ہے کہ ہم اپنے بے سروسامان بھائیوں، بے حیثیت ہم وطنوں کو بھی خوشیاں مہیا کریں۔ان کو راحتوں سے آشنا کریں، ان کے غم و اندوہ کو مسرتوں سے روشناس کریں، ان کے دل کو کیف و سرور کی دھڑکنیں عطا کریں، ان پر رحم کریں تاکہ عرش بریں سے ہم پر رحمتیں چھم چھم برسیں۔تو پھر ہماری عید انسانی و روحانی ناطے سے بہت بڑی عید ہے۔خوشیوں بھری عید، پربہار عید ہے۔ایسی عید منانے والوں کو بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔

زندگی کی بہار تم دیکھو
عیش لیل و نہار تم دیکھو
ایک ہی عید پر کیا موقوف
ایسی عیدیں ہزار تم دیکھو

نبی کریم رحمت اللعالمین ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک یادگار واقعہ معاشرے کیلئے قانون کی حیثیت رکھتا ہے کہ عید کے دن آپ رستے سے گزر رہے تھے کہ ایک بچہ روتا دیکھا، فرمایا: ''بیٹا! کیوں روتے ہو''؟ بچے نے عرض کیا: ''میرا باپ نہیں ہے''۔آپ ﷺ نے اس بچے کو اٹھایا اور اپنے کندھے پر سوار کرلیا اور فرمایا: ''مت رو کہ میں تیرا باپ ہوں'' سبحان اللہ!

آج ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ کوئی مولوی، کوئی پیر، کوئی سرمایہ دار، کوئی مل مالک، کوئی زمیندار، کوئی سیدزادہ، اس سنت کو، اس معاشرتی قانون کو، رحمت للعالمین ﷺ کی اس اداء سرسبد کو عمل میں کیوں نہیں بساتا؟ جو شخص معاشرے میں یہ حسن پیدا کرے گا، اسی کی آخرت حسین و جمیل اور پرنور ہوگی، وہ شخص حشر کے دن نبی کریم رحمتِ کائنات ﷺ کے سایۂ رحمت میں ہوگا۔اے کاش ہم سب اس حقیقی خوشی کو حاصل کرسکیں۔

مولانا محمد زکریا سنبھلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ زرّیں نصیحتیں

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلواۃ والسلام علی رسولہ الکریم

امابعد!

"فقد قال رسول الله ﷺ اتّق المحارم تكن اعبد الناس و ارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس و احسن إلى جارك تكن مسلماً وأحبّ للناس ما تحبّ لنفسك تكن مؤمناً ولا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب. أو كما قال ﷺ"

میرے بھائیو اور بزرگو!

میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی ہے، جس میں آپ نے پانچ باتوں کی نصیحت فرمائی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں اس حدیث کے بیان کرنے سے پہلے ایک قصہ بھی ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من یا خذ عنی ھؤلاء الکلمات فیعمل بھن او یعلّم من یعمل بھن۔** یعنی کوئی ہے جو ہم سے یہ چند نصیحتیں لے لے اور خود ان پر عمل کرے یا کم از کم کسی عمل کرنے والے کو ہی پہنچادے، حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک میں میرا ہاتھ پکڑا اور پھر گن گن کر یہ مذکورہ پانچ نصیحتیں ارشاد فرمائیں۔ میرے بھائیو! یہ پانچ نصیحتیں ایسی ہیں کہ اگر آدمی ان پر عمل کرے تو آخرت میں تو اس کو جنت ملے گی ہی، اس کے لئے دنیا میں بھی جنت بن جائیگی۔ آپ حضرات ذرا توجہ سے ان نصیحتوں کو سنیں۔ میرے بھائیو رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک نصیحت آب زر سے لکھنے کے قابل بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ لوح قلب پر لکھنے کے قابل ہے۔ ہم لوگ الحمد للہ مسلمان ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آپؐ کے ارشادات کی حقیقت اور قدر نہ پہچانی۔ پورا قرآن اللہ کی طرف سے نصیحت نامہ ہے ہر حدیث رسول اللہ ﷺ کی نصیحت اور وصیت ہے۔ عمل کرنے کے لئے اور دل میں بسا لینے کے لئے ہے۔ خصوصاً یہ نصیحتیں جن کو آپ نے اتنے اہتمام سے بیان فرمایا کہ پہلے لوگوں کو متوجہ کرنے اور سننے اور عمل کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے

من یا خذ عنی ھوئلاء الکلمات یعنی ان کلمات اور نصیحتوں کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے یا کم از کم عمل کرنے والوں تک پہنچانے کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ یہ سوال فرمایا۔ اس کے بعد جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اس سوال کے جواب میں ان نصیحتوں پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری لینے کا اظہار کر دیا تو آپ نے انکا ہاتھ پکڑا اور ایک ایک نصیحت گن گن کر بتائی۔ پہلی نصیحت تھی **اتق المحارم تکن أعبدالناس**۔ یعنی حرام کاموں سے بچو اعلیٰ درجہ کے عبادت گزار اور متقی و پرہیز گار بن جاؤ گے۔

میرے بھائیو! اور بزرگو! محرمات سے بچنا بہت اہم ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ بزرگ بننے کے لئے چلہ کشی کی ضرورت ہے، دنیا سے بے تعلقی کی ضرورت ہے۔ مسجد یا کسی خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے اور تلاوت کرنے ہی سے آدمی بزرگ بنتا ہے۔ اور ان کاموں کے بغیر آدمی بزرگی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بیشک یہ کام بہت مفید ہیں، بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں، ترقی درجات کا ذریعہ ہیں، لیکن حرام کاموں سے بچنا ان سے بہت زیادہ ضروری ہے یہ نیک کام یعنی ذکر و تلاوت اگر قوت بخش ٹانک ہیں تو حرام کام مہلک زہر ہیں۔ محرمات ہی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور قرآن مجید میں تقویٰ کی فضیلت اور اس کا حکم اور ذکر پچاسوں جگہ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اختیار کرنے سے آدمی ولی بن جاتا ہے۔ اللہ کا دوست اور اللہ والا بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون**۔ سن لو اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خطرہ ہوگا اور نہ کوئی غم انہیں ستائے گا پھر فرمایا جانتے ہو اولیاء کون ہوتے ہیں فرمایا: **الذین اٰمنوا وکانو یتقون**۔ یعنی اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جنہیں ایمان نصیب ہے اور جو تقویٰ کی زندگی گزارتے ہیں۔

میرے بھائیو! تقوے سے یعنی محرمات اور حرام کاموں سے بچنے سے آدمی کو مقام ولایت نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں یہ کسی عالم یا مولانا کی بات نہیں ہے یہ اللہ کا فرمان ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آمیوں کا ذکر ہوا ایک وہ شخص جس کے مزاج میں تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کی صفت تھی اور دوسرا وہ شخص جو بہت ہی ذاکر شاغل تھا۔ آپؐ نے دونوں کا تقابل یعنی مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقوے کے برابر کوئی نیکی نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **اتق المحارم تکن اعبدالناس**۔ حرام کاموں سے بچو! اعلیٰ درجہ کے عبادت گزار ہو جاؤ گے۔

اب میرے بھائیو! آپ سب ہی عام طور پر حرام کاموں کو جانتے ہیں ہم لوگ جانتے ہیں بدکاری حرام ہے، رشوت لینا دینا حرام ہے سود خوری حرام ہے بہتان لگانا، غیبت کرنا حرام ہے۔

جھوٹ بولنا جھوٹی گواہی دینا حرام ہے۔ اور اس طرح نماز روزہ اور دیگر فرائض وواجبات کو چھوڑنا گناہ ہے۔ یہ اور اُن جیسے دیگر حرام کاموں سے بچئے، بچنے کی فکر کیجئے۔ اصل دین یہی چیز ہے ذکر واذکار نوافل ومستحبات ترقی کا ذریعہ ہیں۔ لیکن بنیادی کام یہی ہے یعنی حرام کاموں اور گناہوں سے بچنا، اس کی فکر سب سے زیادہ ہونی چاہئے، تو بھائیو! پہلی نصیحت جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی یہ تھی کہ گناہوں اور حرام کاموں سے بچو اور اس کا انجام اور نتیجہ بھی بتلا دیا کہ حرام کاموں سے بچنے والا اعلیٰ درجہ کا عبادت گزار بندہ بن جاتا ہے۔

دوسری نصیحت جو آپ نے فرمائی وہ تھی **وارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس.** یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے نصیب میں لکھدیا ہے اس پر دل سے راضی ہو جاؤ اعلیٰ درجہ کے غنی ہو جاؤ گے۔ میرے بھائیو اور بزرگو! اللہ نے ہر ہر شخص کے مقدر کا فیصلہ اس کے پیدا ہونے سے بہت پہلے کر دیا ہے اور جو جس کے نصیب میں لکھدیا ہے وہی اسکو ملے گا اس میں ذرہ بھر کی بیشی نہیں ہوگی اور جس کے نصیب میں جو لکھا مثلاً کسی کے نصیب میں غربت لکھدی ہے کسی کے مقدر میں مالداری لکھدی ہے وہی اس کے لئے مناسب اور اللہ کی حکمت کے عین مطابق ہے۔ آدمی رزق حلال کے حصول کے لئے کوشش کرے ہاتھ پاؤں چلائے اس لئے کہ وہ اسکا مکلف اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسکا حکم دیا ہے، حدیث میں ہے کہ **كسب الحلال فريضه من بعد الفريضه.** یعنی نماز روزہ جیسے فرائض کے بعد رزق حلال کی فکر کرنا بھی ایک فرض ہی ہے۔ لیکن ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ ہر محنت اور کوشش کرنے والا مالدار نہیں ہو جاتا۔ ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ بالکل ایک ہی سی محنت ایک ہی کام اور کاروبار کرنے والے دو شخص نتائج کے اعتبار سے ایک سے نہیں ہوتے دو آدمی ایک ہی مارکیٹ میں ایک ہی قسم کی دوکان کرتے ہیں دونوں باصلاحیت ہیں دونوں محنتی ہیں لیکن ایک کی دوکان اس کے نفع کا ذریعہ بنتی ہے دوسرے کی خسارہ کا۔ میرے بھائیو نفع اور نقصان کا مالک تو صرف اللہ ہی ہے۔ مالداری اور غربت کا فیصلہ تو بہت پہلے وہ کر چکا ہے اس لئے کوشش کرنے کے باوجود اگر خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوتے تو اللہ سے شکوہ وشکایت نہ ہونی چاہئے۔ اگر کوئی آدمی اپنا مزاج اس نصیحت کے مطابق بنالے تو اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعلیٰ درجہ کا غنی ہو جائیگا۔

بھائیو! غنی کا تعلق مال کی کثرت وقلت سے نہیں ہے، غنیٰ تو دل کی ایک اچھی کیفیت کا نام ہے۔ آپ بتلائیں ایک شخص اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت سامال ودولت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں حرص ہے، لالچ ہے وہ دن رات مال ودولت کی حرص ہی میں رہتا ہے نہ اسے آرام نصیب ہے نہ سکون، بس ہر وقت مال کی فکر اور اسی کے لئے دوڑ دھوپ۔ نہ وقت پر کھانا ملتا

ہے نہ آرام و راحت نصیب ہے۔ دوسرا شخص ہے جس کے پاس اس کے اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے بقدر ضرورت روزی روٹی کا سامان ہے۔ اور اللہ نے اس کے مزاج میں اسے دولت قناعت سے نوازا ہے۔ وہ بقدر ضرورت محنت کرتا ہے اور اپنے آرام و راحت اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کو تو رسول اللہ ﷺ نے بھی قابل رشک فرمایا ہے۔ آپ بتلائیے ان دونوں میں کون آرام و راحت سے ہے۔ اور کون غنی ہے۔ اسی لئے آپ نے ایسے شخص کے بارے میں جو اللہ کی تقدیر اور اس کے فیصلہ پر دل سے راضی ہو فرمایا کہ وہ اعلیٰ درجہ کا غنی ہے۔ میرے بھائیو! رزق حلال کے لئے کوشش کرنا اور چیز ہے اور اللہ سے شکوہ شکایت کرنا اور اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہونا اور چیز ہے اس کو آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔

تیسری نصیحت جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی وہ تھی **واحسن إلى جارك تكن مسلماً**۔ یعنی اپنے پڑوسی اور ہم سایہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرو اعلیٰ درجہ کے مسلمان بن جاؤ گے۔ بھائیو! اسلام نے پڑوسی اور ہم سایہ لوگوں کا بڑا حق رکھا ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو ایمان و اسلام کی علامت اور تکمیل ایمان کی شرط قرار دیا ہے اور ان کی حق تلفی اور ان کے ساتھ بدسلوکی کو منافی اسلام چیز قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **والله لا يؤمن، والله لا يؤمن، والله لا يؤمن** ۔بخدا وہ مسلمان نہیں، واللہ وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ خود سمجھ لیں ان جملوں کو کہتے وقت رسول اللہ ﷺ کے غصہ و غضب کی کیا حالت رہی ہوگی، اور اس کا صحابہ کرام پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ کسی شخص کے متعلق آپ ایک بار بھی یہ جملہ فرمادیں تو وہ کتنا بدبخت و بدنصیب ہے چہ جائے کہ آپؐ بار بار یہ بات فرمائیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا **من هو يا رسول الله**۔ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ جس کے متعلق آپ یہ بات فرمارہے ہیں وہ کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا کہ **الذی لا يأمن جاره بوائقه**۔ یعنی یہ شخص وہ ہے جس کے پڑوسی اور ہم سایہ اپنے آپ کو اس کے فتنوں سے محفوظ نہ سمجھیں، یعنی کسی کا اس حال میں ہونا کہ لوگوں کو، اس کے پڑوسیوں کو اس کے فتنوں کا ڈر لگا رہے۔ محلہ پڑوس کے لوگ اس سے ڈرتے اور دبتے رہیں۔ یہ بھی اس کے کمال ایمان کی نفی کے لئے کافی ہے اور ایسے شخص کے لئے آپ نے بار بار **والله لا يؤمن** فرمایا ہے یعنی فتنوں میں مبتلا کرنا ہی برا نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو ایسا بنائے رکھنا کہ لوگ اس سے ڈرتے رہیں یہ بھی بہت برا ہے۔ ہم سایہ اور پڑوسی ہونے کا تقاضہ تو یہ ہے کہ لوگ آپ پر اعتماد کریں، اپنے دکھ درد میں آپ سے سہارے اور مدد کی امید رکھیں نہ کہ آپ سے آپ کے بچوں سے آپ کے گھر والوں سے اپنے لئے اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے خطرہ محسوس کریں۔

میرے بھائیو! پڑوسی کا حق دوسرے پڑوسی پر کتنا ہے۔ اور اسلام نے پڑوسی کو کیا مقام دیا ہے اس کو سمجھئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا **ما زال جبریل یوصینی بالجار حتیٰ ظننت انه سیورثه**۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے حقوق کے سلسلہ میں بار بار اور مسلسل من جانب اللہ اتنی تاکید فرماتے رہے کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ بس اب اللہ کی طرف سے یہ حکم آنے والا ہے کہ تمہارا پڑوسی تمہارے مال و جائداد میں بھی تمہارا وارث ہوگا۔ آپ نے دیکھا، یہ ہے ہمارے پڑوسی کا مقام اسلام کی نظر میں۔ کہ اسلام نے اگرچہ اس کو مال و جائداد میں وارث تو نہیں بنایا لیکن اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اس کا خیال و لحاظ رکھنے کی بے حد تاکید فرمائی۔ پھر بھائیو! اسلام میں ہر پڑوسی کا حق ہے خواہ وہ اپنا عزیز اور رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ بلکہ خواہ اس کا سلوک آپ کے ساتھ براہی کیوں نہ ہو۔ آج کل کے ماحول میں مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے پاس ایسی واضح تعلیمات نہیں ہیں۔ ہمارے پاس پڑوسیوں کے سلسلہ میں اتنی تفصیلی اور واضح اسلامی تعلیمات ہیں لیکن ہم بھی ان سے بے خبر اور غافل ہیں۔ ان تعلیمات پر عمل کرنا ہمارے لئے دنیوی اعتبار سے تو مفید ہے ہی یہ غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف اور تبلیغ کا بھی ذریعہ ہے۔ عملی تبلیغ زبانی تبلیغ سے بہت زیادہ موثر ہوتی ہے۔ پھر آپ غور کریں کہ اگر صرف مسلمان ہی اپنے اہل محلّہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے لگیں تو محلّہ کا ماحول کتنا خوشگوار ہو جائے۔

چوتھی نصیحت جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی وہ تو ایک ایسی عجیب و غریب چیز ہے جس کا تصور آج کی دنیا میں کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: **واحب للناس ما تحب لنفسك تكن مؤمناً**۔ کتنی عجیب و غریب بات ہے کہ اچھی بات جو اپنے لئے پسند کرتے ہو ساری دنیا کے لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو ایسا کرنے سے تم اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان ہو جاؤ گے۔ مثلاً آدمی اپنے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کریں مجھ سے محبت کریں میری عزت کریں یا کم از کم بے عزتی تو نہ کریں۔ میرے بچوں اور میرے گھر والوں کے ساتھ پیار و محبت اور لطف و کرم کا معاملہ کریں۔ مجھے ستائیں نہیں مجھے دھوکہ نہ دیں۔ میرے ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔ وغیرہ وغیرہ یہی باتیں ہر آدمی دوسرے کے لئے بھی پسند کرنے لگے۔ آپ ان اجمالی باتوں کی تفصیلات خود کر سکتے ہیں اس نصیحت کا میدان بہت وسیع ہے اس خود غرضی اور نفسی نفسی کی دنیا میں ایسی تعلیمات رسول عربی حضرت محمد ﷺ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نہیں مل سکتی۔ اور کسی کے یہاں مل بھی کیسے سکتی ہیں۔ رحمۃ للعالمین تو اللہ نے صرف آپؐ ہی کو بنا کر بھیجا ہے، آپ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مسلمان

کے لئے یہ بات لازمی اور ضروری ہے کہ جو بات اپنے لئے اچھی سمجھے وہی دنیا کے ہر آدمی کے لئے اسے اچھی لگے۔ اپنے لئے کچھ پسند کرنا اور دوسروں کے لئے کچھ اور پسند کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ پھر آپ غور فرمائیں۔ اس نصیحت میں آپ نے دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ خیر خواہی اور خیر سگالی کا حکم دیا ہے، صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں۔ اس حسن سلوک اور خیر خواہی میں نہ اپنی ذات کی قید ہے نہ قوم و برادری کی نہ ہم وطن یا ہم مذہب ہونے کی قید ہے بلکہ فرمایا: **واحب للناس ما تحب لنفسك** یعنی ساری دنیا کے انسانوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ میرے بھائیو! آپ اس نصیحت کی وسعتوں اور گہرائیوں پر غور کریں تو کچھ اندازہ ہو کہ اسلامی تعلیمات کتنی عمیق اور وسیع ہیں۔

اب آخری اور پانچویں نصیحت سن لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: **ولا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب**۔ فرماتے ہیں کہ زیادہ نہ ہنسا کرو اس لئے کہ زیادہ ہنسنا ہنسانا دل کو مار دیتا ہے۔ لیجئے یہ دنیا والے کہتے ہیں کہ زیادہ ہنسنے ہنسانے والے زندہ دل ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کی گنگا بھی الٹی ہی بہتی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہم لوگ دل کی زندگی اور موت کو سمجھتے ہی نہیں۔ میرے بھائیو! دل کی زندگی یہ ہے کہ دل اللہ والوں کی باتوں پر توجہ دے اور قبول کرلے، اور دل کی موت یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کی باتوں سے بے تعلق بلکہ بیزار ہو جائے، اسے قرآن وحدیث سے مناسبت نہ رہے اسے دین کی باتوں میں رغبت اور دلچسپی نہ رہے۔ وہ اللہ ورسول کی باتوں کو قبول نہ کرے۔ اگر کسی شخص کے دل کا حال ایسا ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اسکا دل جس کام کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس میں اب وہ کام کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اور اب وہ مردہ ہو گیا ہے۔ اور دل کی یہ حالت آپ کے فرمانے کے مطابق زیادہ ہنسنے ہنسانے سے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو چیزیں کثرت ضحک یعنی زیادہ ہنسنے کا سبب ہوتی ہیں یعنی دنیا وی لہو لعب وہ بھی دلوں کو مردہ کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور اس کے برعکس جو چیزیں زیادہ ہنسنے ہنسانے سے روکتی ہیں یعنی آخرت کی فکر اور اللہ کا ذکر وہ دلوں کو زندہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ دلوں کی زندگی اور موت کی حقیقت کو وہی بتا سکتا ہے جو دلوں کو پیدا کرنے والا ہے یا اس کے بھیجے ہوئے رسول اور پیغمبر ان حقیقتوں کو بتا سکتے ہیں۔

میرے بھائیو! بات طویل ہو گئی میرا ارادہ اتنی لمبی بات کرنے کا نہ تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی یہ نصیحتیں بے حد قیمتی نصیحتیں ہیں۔ اور آپ نے بھی ان کو خاص اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسا کہ شروع میں میں نے عرض کیا تھا۔ اب بس بات ختم کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ الٰہی ہم سب کو ان نصیحتوں کی قدر و قیمت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بخاری اکیڈمی کے سٹاک میں آنے والی نئی مفید کتب

محمد عربی ﷺ انسائیکلو پیڈیا
سوالاً جواباً لکھی جانے والی ضخیم کتاب (قیمت: ۳۳۰ روپے)
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

ہندوستان میں ابن تیمیہؒ
مولانا آزادؒ کا سفر آخرت، مولانا کے بعد دہلی پر کیا بیتی؟
شورش کاشمیریؒ　(قیمت: ۲۰۰ روپے)

خطبات سیرت (مکمل تین جلد)
مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ کی سیرت النبیؐ پر تقاریر کا مجموعہ
(قیمت: ۵۲۰ روپے)

فری میسنری (ایک اسلام دشمن یہودی تنظیم)
جناب بشیر احمد　(قیمت: ۱۵۰ روپے)

خطبات فاروقی شہیدؒ (مکمل تین جلد)
توحید، سیرت النبیؐ، عظمت صحابہؓ اور دیگر اہم تقاریر کا مجموعہ
(قیمت: ۶۰۰ روپے)

مرزائیت نئے زاویوں سے
نبوت و رسالت، جھوٹ اور سچ کا فرق
مولانا محمد حنیف ندویؒ　(قیمت: ۹۰ روپے)

احکام و مسائل
خطبات جمعہ، عیدین، نکاح، عقیقہ، نماز استسقاء اور قنوت نازلہ
جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(قیمت: ۲۵۰ روپے)

جہادِ ختم نبوت کے جاں نثار
عشق رسولؐ کی درخشاں تاریخ، جذبوں اور ولولوں کا روشن باب
محمد طاہر عبدالرزاق　(قیمت: ۹۰ روپے)

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (انڈیا ایڈیشن)
(ایک نئے مطالعے کی روشنی میں)
مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، مقدمہ: مولانا محمد منظور نعمانیؒ

عقیدہ اہل الاسلام فی حیات عیسیٰؑ
حیات و نزول مسیح پر ایک بے مثال کتاب
حکیم محمود احمد ظفر　(قیمت: ۵۰ روپے)

جواہرات فاروقی شہیدؒ
مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ
قیمت: ۱۵۰ روپے

اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
میں مسلمان کیسے ہوا؟
خالد محمود (سابق یوئیل کندن　(قیمت: ۱۲۰ روپے)

خطبات شعیب ندیم شہیدؒ
توحید، سیرت النبیؐ و صحابہؓ اور دیگر موضوعات پر تقاریر کا مجموعہ
مرتب: حافظ محمد ندیم قاسمی　(قیمت: ۲۰۰ روپے)

اُسامہ بن لادن اور امریکی سامراج
عظیم مجاہد کا جہادِ افغانستان میں روشن کردار
مولانا محمد یونس حسن　(قیمت: ۱۵۰ روپے)

غازی شیخ حق نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ
تختہ دار کے مسافر کی حیات و نظریات (قیمت: ۹۰ روپے)

حیاتِ امیر شریعتؒ (جانباز مرزاؒ)
امیر شریعتؒ کی دینی و ملی خدمات کا حسین مرقع (قیمت: ۱۵۰ روپے)

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ ملتان　فون: ۵۱۱۹۶۱۔۰۶۱

☆ بہت جلد بڑے منصوبے پر عملدرآمد ہوگا، امریکیوں کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیں گے، کوئی آنسو پونچھنے والا نہیں ہوگا

☆ ہم ''غلط کاروں'' کی حکومت قبول نہیں کریں گے اور ایسی حکومت میں شمولیت پر موت کو ترجیح دیں گے۔

☆ طالبان صفوں میں غداروں کی تلاش کا عمل جاری ہے، نتائج جلد سامنے آئیں گے:

(امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کا، بی بی سی کو دیا گیا انٹرویو

(امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کا یہ انٹرویو، بی بی سی پشتو سروس نے سٹیلائٹ فون کے ذریعے لیا، جو بی بی سی ورلڈ سروس ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ۱۵ ر نومبر بروز جمعرات کو نشر کیا گیا۔ بی بی سی نے سوالات سٹیلائٹ فون کے ذریعے ان کے ایک نمائندہ کی وساطت سے پوچھے، جنہوں نے یہ سوالات ایک دستی ریڈیو کے ذریعے ملا محمد عمر تک پہنچائے۔ اس کے بعد ان کے جوابات کیلئے فون کا یہ ریسیور اس ریڈیو سے منسلک کر دیا گیا۔ ملا عمر سے انٹرویو میں کئے گئے سوالات اور جوابات قارئین کے نذر کئے جارہے ہیں)

بی بی سی: افغانستان کی موجودہ صورتحال کے بارے میں آپ کا کیا نقطہ نظر ہے؟

ملا عمر: آپ (بی بی سی) اور امریکہ کے کٹھ پتلی ریڈیوز نے تشویش پیدا کی ہے، مگر افغانستان کی موجودہ صورت حال کا ایک بہت بڑے کاز سے تعلق ہے اور یہ (کاز) امریکہ کی تباہی ہے۔

بی بی سی: امریکہ کی تباہی کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس پر عملدرآمد کیلئے آپ کے پاس کوئی ٹھوس پلان ہے؟

ملا عمر: یہ منصوبہ آگے بڑھ رہا ہے اور ان شاء اللہ اس پر عملدرآمد کیا جارہا ہے۔ مگر یہ بہت بڑا ٹاسک ہے جو انسانی فہم وادراک سے بھی بالاتر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال رہی تو یہ سب کچھ بہت مختصر عرصہ میں ہوگا۔ آپ میری یہ پیش گوئی یاد رکھیں۔

بی بی سی: اطلاعات کے مطابق اسامہ بن لادن نے دھمکی دی ہے کہ وہ امریکہ کے خلاف ایٹمی، کیمیائی اور جراثیمی ہتھیار استعمال کریں گے، آپ کی یہ دھمکی اسی کا حصہ ہے؟

ملا عمر: یہ ہتھیاروں کا کوئی معاملہ نہیں، ہماری امیدیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے وابستہ ہیں، ہم اس بارے میں پر امید ہیں، اصل معاملہ امریکہ کی تباہی ہے اور ان شاء اللہ امریکہ (منہ کے بل) زمین پر گرے گا (اور خاک چاٹنے پر مجبور ہوجائے گا)

بی بی سی: گزشتہ چند روز میں آپ کے ہاتھ سے متعدد صوبے نکل گئے، کیا آپ ان پر دوبارہ قبضہ کرلیں گے؟

ملا عمر: ہم پوری طرح سے پرامید ہیں کہ آپ (کھوئے اور دوبارہ پانے کی) دوبارہ اسی قسم کی تبدیلیاں دیکھیں گے۔

بی بی سی: اس قدر تیزی سے پسپائی کی کیا وجہ تھی؟ آپ کے فوجی شہروں سے کیوں بھاگ گئے؟ کیا یہ سب کچھ امریکی بمباری کا نتیجہ تھا یا آپ کے فوجیوں نے دغا دیا؟

ملا عمر: میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ اس کا تعلق بہت بڑے ٹاسک سے ہے۔

بی بی سی: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت آپ کے پاس کتنے صوبے ہیں؟

ملا عمر: ہمارے پاس اس وقت چار پانچ صوبے ہیں لیکن یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ہمارے پاس کتنے صوبے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ ہمارے پاس ایک بھی صوبہ نہیں تھا، پھر وہ وقت بھی آیا کہ تمام صوبے ہمارے پاس آگئے، جن میں سے گزشتہ ہفتے کچھ صوبے ہاتھ سے نکل گئے، اس لئے صوبوں کی تعداد کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

بی بی سی: جیسا کہ آئندہ کی حکومت میں آپ کی شرکت خارج از امکان قرار دی جا چکی ہے اگر آپ کی فورسز میں سے کسی نے آپ کے نمائندہ یا معتدل طالبان کی حیثیت سے شرکت کا فیصلہ کیا تو آیا آپ اس کی مخالفت کریں گے؟

ملا عمر: طالبان میں ایسی کوئی چیز نہیں تمام طالبان معتدل مزاج ہیں۔ دو چیزیں ہیں انتہا پسندی (افراط، یا کسی چیز کی زیادتی) اور قدامت پسندی (تفریط، یا کوئی کام ناکافی رہے) اس لحاظ سے ہم سب اعتدال پسند ہیں اور درمیانی راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گزشتہ بیس سال سے وسیع البنیاد حکومت کے قیام کی کوششیں ہو رہی ہیں مگر ان میں سے کچھ نتیجہ نہیں نکلا ہم "غلط کاروں" کی حکومت قبول نہیں کریں گے۔ ہم ایسی "بری" حکومت میں شمولیت کی بجائے موت کو ترجیح دیں گے۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ آپ اسے ذہن میں رکھیں امریکہ کے بارے میں میری پیشگوئی پر آپ یقین کریں یا نہیں یہ آپ کی صوابدید پر ہے، مگر ہم دیکھیں گے اور انتظار کریں گے۔

کے پی آئی کے مطابق ملا عمر نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ طالبان کی صفوں میں غدار عناصر کی تلاش کا عمل جاری ہے، جس کے نتائج بہت جلد سامنے آجائیں گے۔ امریکہ کی تباہی کے منصوبے کے بارے میں سوال پر انہوں نے کہا کہ یہ تکنیکی اعتبار سے ٹھوس منصوبہ بندی ہے۔ میں آپ کی اس منصوبے میں استعمال کئے جانے والے ہتھیاروں کی نوعیت کے بارے میں نہیں بتا سکتا لیکن آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم امریکہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اور ان شاء اللہ! امریکہ منہ کے بل گر کر خاک چاٹنے پر مجبور ہو جائے گا۔ آئندہ چند دنوں میں آپ صورتحال یکسر بدلتا ہوا دیکھیں گے۔ کوئی بھی امریکیوں کے آنسو پونچھنے والا نہیں ہوگا۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ طالبان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، جن کا ہم ازالہ کریں گے۔ طالبان کی صفوں میں گمراہ عناصر کی تطہیر کا طویل عمل جاری ہے۔

(مطبوعہ روزنامہ "نوائے وقت" ملتان، ۱۶ نومبر ۲۰۰۱ء)

مولانا زاہد الراشدی

تہذیب وثقافت کی جنگ؟

امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے یہ کہہ کر ایک بار پھر امریکی اتحاد کی حالیہ جنگ کے اصل مقصد کو واضح کر دیا ہے ''جب تک تہذیب مکمل طور پر محفوظ نہیں ہو جاتی، دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔'' اس سے قبل جنگ کے آغاز میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے اس جنگ کے لئے ''صلیبی جنگ'' کی اصطلاح استعمال کی تھی اور اس کے بعد ایک موقع پر کہا تھا کہ ہم تہذیب کے تحفظ کے لئے لڑ رہے ہیں، جبکہ اٹلی کے وزیر اعظم نے مغربی تہذیب کی برتری کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا تھا کہ اس تہذیب کی حفاظت کی جائے اور برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے اپنے مضمون میں جو جنگ لندن میں 13 اکتوبر 2001ء کو شائع ہوا تھا، طالبان حکومت کو چارج شیٹ کرتے ہوئے صاف طور پر کہا تھا:

''وہ ایک دقیانوسی اور غیر روادار نظام پوری مسلمان دنیا کو برآمد کرنا چاہتے ہیں'' جبکہ دوسری طرف جس دہشت گردی کے خلاف مغرب نے جنگ شروع کی ہے، اس کی کوئی تعریف متعین نہیں ہے اور عالمی رائے عامہ کے بہت سے لیڈر بار بار مطالبہ کر رہے ہیں کہ دہشت گردی کی واضح تعریف متعین کی جائے اور اس کی حدود واضح کی جائیں تاکہ آزادی کی تحریکات اور جبر و تشدد کے خلاف دفاع کے لئے ہتھیار اٹھانے والے مظلوموں کو دہشت گردی کے الزام سے الگ کیا جا سکے، مگر نہ اقوام متحدہ اور نہ ہی حملہ آور اقوام اس طرف توجہ دینے کے لئے تیار ہیں اور دہشت گردی کا کوئی متعین مفہوم طے کئے بغیر دہشت گردی کے خلاف انہوں نے جنگ کا بگل بجا دیا ہے، جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انہیں دہشت گردی یا اسکے خاتمہ سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ صرف دہشت گردی کے الزام کا بے نام وارنٹ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہیں تاکہ جس کا نام وہ چاہیں اس پر لکھ کر اس کے خلاف کارروائی کر سکیں۔

چند سال پیچھے ہٹ کر واقعات کے تسلسل کو اس کے اصل تناظر میں دیکھیں تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ جب افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف جہاد آزادی جاری تھا اور ابھی روسی فوج نے افغانستان سے نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، البتہ یہ بات واضح ہوتی جا رہی تھی کہ افغان مجاہدین کا راستہ روکنا اب زیادہ دیر تک ممکن نہیں ہوگا اور روسی افواج کو بالآخر افغانستان سے نکلنا ہوگا، اس وقت امریکہ ایک سابق صدر جناب نکسن تمام تر اختلافات اور محاذ آرائی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے روس پہنچ گئے تھے اور انہوں نے روسی دانشوروں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ہماری جنگ کے نتیجے میں اسلامی دنیا میں جو دینی بیداری ابھر رہی ہے اور جہادی تحریکات جس طرح منظم ہو رہی ہیں، وہ ہم دونوں کے لئے مشترکہ خطرہ ہیں، اس لئے ہمیں باہمی محاذ آرائی ترک کر کے اس مشترکہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کی تیاری کرنی چاہیے۔

سابق امریکی صدر نکسن کے اس دورہ روس کے بعد امریکہ اور روس میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے بعد افغانستان میں حکومت کے معاملات کو جان بوجھ کر مبہم چھوڑ دیا گیا تھا اور پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم اور وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو مرحوم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کا پس منظر بھی یہی تھا۔ صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم روسی فوجوں کی واپسی سے قبل کابل حکومت کا معاملہ طے کرنا چاہتے تھے تاکہ مجاہدین روسی فوجوں کے جانے کے بعد افغانستان کی حکومت سنبھال سکیں، جبکہ جونیجو مرحوم کابل کی حکومت کا معاملہ طے کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور روسی افواج کی واپسی کے معاہدے پر جلد از جلد دستخط کر دینا چاہتے تھے۔

روسی افواج کی واپسی کے بعد کابل کی حکومت کا معاملہ مبہم چھوڑ دینے کی بات اتفاقی نہیں بلکہ امریکہ اور روس دونوں کی طے شدہ تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ روس کی واپسی کے بعد مختلف افغان گروپوں میں اقتدار کے لئے کشمکش کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اسے باہر سے ایندھن فراہم کیا جاتا رہے اور مجاہدین کی وہ اسلامی نظریاتی ریاست، جسے امریکہ اور روس دونوں اپنے لئے مشترکہ خطرہ سمجھ رہے تھے۔، وجود میں نہیں آ سکے گی۔ آج مغربی لیڈر بار بار کہتے ہیں کہ انہوں نے افغانستان کو روس کے خلاف جنگ کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور اب وہ ایسا نہیں کریں گے، یہ محض سرسری سی بات نہیں، بلکہ طے شدہ منصوبے کا حصہ تھی، جس کا مقصد واضح تھا کہ جہادِ افغانستان میں حصہ لینے والے مختلف گروپ کابل کی حکومت کیلئے ایک دوسرے کے خلاف مستقل طور پر صف آراء ہیں اور جب وہ تھک ہار کر باہر سے تعاون اور امداد کیلئے رجوع کریں تو وہاں امریکہ اور روس باہمی مشورہ سے کوئی ایسی حکومت بنوا دیں جو ان کے عالمی نظام میں شریک ہو اور افغانستان میں ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے قیام کا ذریعہ نہ بن سکے۔

مگر مجاہدین کے مختلف گروپوں میں طویل خانہ جنگی کے ردعمل میں سامنے آنے والے طالبان نے افغانستان کے ایک بڑے حصے کو خانہ جنگی سے نجات دلا کر اور ایک نظریاتی اسلامی حکومت قائم کر کے اس منصوبے میں رخنہ ڈال دیا۔ انہوں نے نہ صرف امن و امان کی صورت حال کو تسلی بخش بنایا بلکہ افغان معاشرے کو ہتھیاروں سے پاک کرنے اور ہیروئن کے کاروبار کو مکمل طور پر بند کرنے کا محیر العقول کارنامہ بھی سرانجام دے ڈالا۔ اگر وہ اپنے اس عمل کے ساتھ اسلام کا نام نہ لیتے اور قرآن و سنت کے احکام و قوانین کے نفاذ کی بات نہ کرتے تو آج وہ دنیا میں ایک ''آئیڈیل حکومت'' اور ہیرو کے طور پر متعارف ہوتے اور انہیں پوری دنیا میں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا، مگر ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے صاف طور پر اعلان کیا کہ وہ سب کچھ اسلام کے لئے کر رہے ہیں اور اسلامی احکام کے تحت کر رہے ہیں، اس لئے انہیں مغرب کے نظام، فلسفہ اور تہذیب کیلئے خطرہ سمجھ لیا گیا اور ایسا سمجھنے والوں نے کوئی غلطی نہیں کی کیونکہ...... 1 خانہ جنگی سے نجات، 2۔ اسلامی قوانین کے ذریعے معاشرتی جرائم پر کنٹرول، 3۔ لاء اینڈ آرڈر کی مثالی صورت حال، 4۔ منشیات کا مکمل خاتمہ اور

5۔ اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کے مصداق بیرونی قرضوں سے بے نیازی اختیار کر کے سادگی اور قناعت کے ساتھ نظام حکومت چلانے کی جو روش انہوں نے کامیابی کے ساتھ اپنائی تھی، اگر انہیں اس پر آٹھ دس سال تک چلنے کا موقع مل جاتا تو دنیا کے سامنے فی الواقع ایک ایسی ریاست اور معاشرے کا نقشہ عملی طور پر آ جاتا۔ جس کے سامنے مغربی فلسفہ و نظام اور تہذیب و ثقافت کا چراغ زیادہ دیر نہ جل سکتا اور کم از کم عالم اسلام کے متعدد ممالک میں اس طرز کے نظام حکومت اور فلسفہ حیات کی علمبردار دینی قوتوں کو تقویت حاصل ہوتی اور اسلامی نظام کی طرف مسلم ممالک کی واپسی کی راہ کھل جاتی۔

اس کے علاوہ تاریخ کے ریکارڈ پر ایک اور شہادت بھی موجود ہے کہ جب سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد نیٹو کے اس وقت کے سیکرٹری جنرل سے پوچھا گیا کہ نیٹو کا قیام ہی سوویت یونین کے خلاف عمل میں لایا گیا تھا تو اب یونین کے عالمی منظر سے ہٹ جانے کے بعد نیٹو کو باقی رکھنے کا کیا جواز رہ گیا ہے؟ تو انہوں نے بے ساختہ کہہ دیا کہ ''ابھی اسلام باقی ہے۔'' اس لئے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مغربی لیڈروں نے جس نئی جنگ بلکہ عالمی دہشت گردی کا آغاز کیا ہے۔ وہ دراصل عالم اسلام میں دینی بیداری کی ابھرتی ہوئی لہر کو دبانے اور مسلم ممالک پر استعماری قوتوں کے غاصبانہ تسلط کے خلاف منظم ہونے والی مسلح جہاد تحریکات کو کچلنے کے لئے ہے تاکہ دنیا میں کوئی ایسی نظریاتی اسلامی ریاست قائم نہ ہونے پائے جو اس وقت دنیا میں موجود استحصالی نظام مغرب کے مادر پدر آزاد ثقافت و کلچر اور لادینی فلسفہ کے لئے خطرہ بن سکے اور اس جنگ میں مسلم ممالک کے وہ تمام حکمران گروہ اور طبقات جو مغرب کے ساتھ شریک اور اس کے فطری حلیف ہیں جو مغرب کے پروردہ ہیں اور مغرب کی نمائندگی کرتے ہوئے عالم اسلام کی سیاست و معیشت اور فکر و دانش کو مغرب کے ہاتھوں گروی رکھ کر اپنے اقتدار اور عیاشیوں کو طول دینے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر اس سب کچھ سے قطع نظر مغربی لیڈروں بالخصوص جارج ڈبلیو بش، ٹونی بلئیر اور کولن پاول سے یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ جناب! تہذیب و ثقافت کی جنگ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اخلاقی اقدار کے سہارے لڑی جاتی ہے اور جن تہذیبوں کی اخلاقی اقدار و روایات بے حوصلہ ہو جائیں۔، ہتھیاروں کی جھنکار ان کو کبھی سہارا نہیں دیا کرتی۔ کیا یہ مغربی لیڈر تاریخ کے اس نوشتہ پر نظر ڈالنے کی زحمت بھی گوارا کریں گے؟

دورِ جدید کی اعلیٰ فینسی ورائٹی کا مشہور مرکز

عمر فاروق ہارڈ وئیر پینٹس اینڈ مل سٹور

عمارتی و صنعتی سامان، ہارڈ وئیر پینٹس، ٹولز، بلڈنگ میٹریل، گورنمنٹ کے منظور شدہ کنڈے، باٹ و پیمانہ جات

صدر بازار ڈیرہ غازی خان فون 0641-462483

کچھ طالبان کے حق میں.......

خالد مسعود خان

بغضِ معاویہؓ کے زور پر تعصب سے لتھڑے ہوئے قلم کے ساتھ روشن خیالی، انسان دوستی اور حقوق کی بحالی بارے لکھنے والے ''وسیع القلب متعصب'' اور ''تنگ نظر روشن خیال'' دانشوروں کا اندرونی تعصب اور دلی بغض بلآخر باہر آ ہی گیا ہے۔ پچھلے سال سے عمومی اور گزشتہ دو ماہ سے خصوصی طور پر افغانستان میں طالبان کی جانب سے رکھوائی جانے والی ''زبردستی'' کی داڑھیوں اور ''جبر'' سے پہنائے گئے برقعوں کی آڑ میں طالبان کو انسانی حقوق کی پامالی کے الزام میں مطعون کرنے بلکہ قابل گردن زدنی قرار دینے والے قلمکار اور دانشور طالبان کی بے انداز شہادتوں، مرنے والوں کی لاشوں کی بے حرمتی، مارے جانے سے قبل کیے جانے والے غیر انسانی تشدد اور مزید متوقع ہلاکتوں پر اپنی تمام تر ''انسان دوستی'' اور ''انسانی حقوق'' کی پاسداری کے دعووں کے باوجود نہ صرف خاموش بلکہ بعض سنگدل تو باقاعدہ مطمئن و مسرور ہیں۔

زبردستی رکھوائی گئی داڑھیوں کے ساتھ برضا و رغبت رکھوائی جانے والی داڑھیوں کو زبردستی مونڈنے اور جبر سے پہنائے گئے برقعوں کے ساتھ ساتھ اپنی مرضی سے پہنے ہوئے برقعوں کو طاقت کے زور پر اتروانے کے عمل کو ''اپنی مرضی کی زندگی گزارنے'' سے تشبیہ دینے والے دانشوروں کی اس منافقت نے ان کے اندر کے ''بے ایمان'' کو سب پر آشکار کر دیا ہے۔

بیشک زبردستی داڑھی رکھوانا کوئی احسن یا پسندیدہ کام نہیں مگر سنت رسول ؐ سمجھ کر رکھی گئی داڑھی کو زبردستی مونڈنا ایک ایسا قبیح اور فاسقانہ فعل ہے جس سے پہلے سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح زبردستی پہنائے جانے والے برقعے کا بدلہ لینے کے لئے پردہ دار خواتین کا برقعہ زبردستی اتارنے پر خوشی منانے والے کو صرف بد بخت ہی کہا جا سکتا ہے۔

مزار شریف، کابل اور ہرات کی سڑکوں پر صرف طالبان دشمنی میں ایسی ایسی داڑھیاں نوچی اور مونڈی گئیں جو طالبان نے نہیں رکھوائی تھیں بلکہ افغان مذہبی کلچر کے زیر اثر سنت رسولؐ سمجھ کر رکھی گئی تھیں اور ایسی ایسی عفت مآب اور پاکباز افغان عورتوں کے برقعے برسرِ بازار اتارے گئے جن کو چشم فلک نے ایسی حالت میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس عمل کو ''روشن خیالی کی فتح'' اور ''باطل نظریات کی شکست'' سے تشبیہ دینا ایک قلمی خیانت ہے (ایسے لوگوں کے لئے یہ نرم ترین الفاظ ہیں۔)

کسی داڑھی والے کالم نویس (بشمول میرے) کے نظریات سے ملا عمر کی فقہ سے اور طالبان کی اسلامی تشریحات سے اختلاف اپنی جگہ مگر ان اختلافات کی بنیاد پر داڑھی کو کسی باریش کالم نویس کی ایجاد ملا عمر کی ملکیت یا طالبان کی میراث سمجھ کر کبھی مطعون کرنا اور کبھی خوشیاں منانا روشن خیالی اور انسانی حقوق کے منہ پر ایک تھپڑ مارنے کے مترادف ہے۔ داڑھی نہ صرف

سنت رسولؐ ہے بلکہ آپ کے خاندان کے ہر فرد کے چہرے کی زینت رہی۔ وہ حضرت علیؓ ہوں جناب حسنؓ ہوں یا جناب حسینؓ۔

طالبان کی جانب سے داڑھی اور برقعے کے زبردستی اطلاق کے ''نا قابل معافی'' جرم کو بنیاد بنا کر پچھلے سات ہفتے سے ہونے والی انسانی تاریخ کی سب سے ہولناک اور تباہ کن امریکی بمباری کو عین انصاف قرار دینے والے اور طالبان کے زیر قبضہ علاقوں میں نافذ بعض پابندیوں کے نفاذ کو انسانی حقوق کی پامالی قرار دے کر شہید ہونے والے طالبان کی لاشوں کو پڑنے والی ٹھوکروں کو مارے جانے سے قبل ان پر ہونے والے غیر انسانی تشدد، گرفتار ہونے والوں کو، زندہ جلانے کو، مرنے والوں کی آنکھیں نکالنے اور اعضاء کاٹنے کو، پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کے منہ میں کلاشنکوف کے برسٹ مارے جانے اور طالبان کی برہنہ لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹنے کو ''جیسا بویا دیسا کاٹنے'' کی تشبیہہ دینے والوں کو اس قلمی خیانت اور بے ایمانی کے بعد خود کو انسانی حقوق کا خود ساختہ پاسبان کہنے کا کوئی حق نہیں کہ ان کا قلم سارا زور اس وقت دکھاتا ہے جب ملبہ بنیاد پرستوں پر، مولویوں پر یا داڑھی والوں پر گر رہا ہو۔ تاہم وہ اس وقت بالکل خاموش رہتے ہیں جب داڑھی والوں کو سڑکوں پر ذبح کیا جارہا ہو، ان کی انسان دوستی کو ہسپتالوں، مسجدوں، دیہاتوں اور شہری آبادی پر گرنے والے امریکی میزائل اور ہوائی حملے بھی نہیں جھنجھوڑ سکتے اور وہ اس ظالمانہ فعل کو بھی طالبان علاقوں میں انسانی حقوق پر پابندیوں کے جواب میں نہ صرف معقول اور متوازن ردعمل قرار دیتے ہیں بلکہ ایسے موقع پر خوشی ان کی تحریروں میں امڈی پڑتی ہے۔

انسانی حقوق کا شور مچانے والے صبح دو روپے کے بلیڈ سے داڑھی مونڈنے کے بعد خود کو اعلیٰ وارفع قرار دینے والوں اور داڑھی کو انسان کے زمرے سے باہر نکال کر ان کی لاشوں کو جو پڑنے والی ٹھوکروں پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ ایسے دانشوروں کی ساری انسانیت صرف روپے کے بلیڈ میں پھنسی ہوئی ہے۔ ان متعصب اور تنگ نظر روشن خیالوں کو طالبان کی تمام تر جہالتیں تو نظر آتی ہیں مگر انہیں خونخوار ازبکوں، وحشی تاجکوں اور جزب وحدت کے مومنوں کے وہ ظالمانہ فعل نظر نہیں آرہے جو وہ ''مفتوحہ'' علاقوں میں کر رہے ہیں؟ ''جاہل'' طالبان کے زیر قبضہ انتہائی پر امن علاقوں میں طالبان اسلامی تشریحات، زبردستی کے برقعے اور داڑھی کو جواز بنا کر ان کے خلاف طوفان اٹھانے والوں کو اب امریکی فراہم کردہ وردیوں میں ملبوس ''تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے'' شمالی اتحاد والوں کی ڈیڑھ ہفتے کی حکومت میں ہونے والی ہزاروں ہلاکتیں نظر نہیں آرہیں؟ یہ ہلاکتیں جنگ میں نہیں ہوئی بلکہ بعد از قبضہ زندہ جلانے، ذبح کرنے، ہاتھ باندھ کر گولیاں مارنے اور اعضاء کاٹنے سے واقع ہوئی ہیں۔ انسانی حقوق کے پاسداروں کے علم میں اضافے کے لئے عرض ہے کہ طالبان اور ان کے حامیوں کے نام پر مارے جانے والے تمام لوگ اپنی داڑھیوں کے باوجود انسان ہی تھے۔

دانشوروں کو آج کل ''جہاد'' سے اتنا ہی بیر ہے، جتنا کہ تمام یہودیوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کو ہے۔ جہاد کا ٹھٹھہ اڑانے والے ''تاریخ کے طالب علموں'' کو یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ پورے مدینہ منورہ میں صرف عبداللہ بن ابی ہی وہ

شخص تھا جو جہاد کا منکر تھااور موجودہ دور میں انگریزوں سے خلعت نبوت پانے والا مرزا غلام احمد قادیانی اس کا منکر تھا۔ جہاد کی مخالفت کرنے اور اس کا مذاق اڑانے والے، ہر دو مذکورہ افراد میں سے کسی ایک کے مکتب فکر کی بیعت کر لیں، تاکہ ان کے پاس اس مخالفت کا شرعی نہ سہی تاریخی جواز تو موجود ہو۔

ایک ''پیارا قلمکار'' لکھتا ہے کہ طالبان کی کابل اور مزار شریف میں شرمناک پسپائی ہوئی ہے، مجھے تسلیم ہے کہ طالبان پسپا ہوئے ہیں اور ابھی شاید اور کئی شہروں سے بھی پسپا ہوں گے۔ تاہم اسے یاد ہوگا کہ طالبان کی یہ پسپائی سات ہفتے کی شدید امریکی بمباری کے بعد ہوئی، جبکہ اصلی اور حقیقت شرمناک پسپائی تو احمد شاہ مسعود، برہان الدین ربانی اور کریم خلیلی اینڈ کمپنی کی تب ہوئی تھی جب وہ طالبان کی آمد کا سن کر، بغیر امریکی بمباری کے، کابل سے بھاگ نکلے تھے رہ گئی بات کابل میں طالبان کی رخصتی پر ہونے والے جشن کی، تو کابل میں ہونے والے جشن کو حق کی فتح اور باطل کی شکست قرار دینے والوں کو بخوبی یاد ہوگا کہ شمالی اتحاد کی کابل سے 1996ء میں شرمناک پسپائی پر اس سے زیادہ بڑا جشن منایا گیا تھا۔

طالبان پر ایک اور الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بڑا ظلم وستم اور قتل عام کیا۔ ان کے پانچ سال کے زائد دور اقتدار میں انتظامی اور شرعی قوانین کے تحت دی جانے والی سزائے موت کی تعداد مزار شریف کے سلطان رضیہ سکول میں پناہ لینے والوں کے قتل عام سے کئی گناہ کم تھی۔ ''ٹائم'' کا نمائندہ الیکس پیری رقم طراز ہے کہ'' سکول میں محصورین نے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی لیکن شمالی اتحاد والوں نے ان کا بیدردی سے قتل عام شروع کر دیا''۔ تقریباً ایک ہزار لوگ صرف اس ایک سکول میں قتل ہوئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو مقتولین کی مثلہ لاشوں اور کٹے ہوئے اعضاء کو ریڈ کراس کی ٹیمیں ٹریکٹروں اور ٹرالیوں کے ذریعے کہیں اور منتقل کر رہی تھیں۔ عمارت میں چاروں طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں، جن کے اعضاء کاٹ دیئے گئے تھے۔ اس دو منزلہ عمارت پر شمالی اتحاد نے چاروں طرف سے فائرنگ کی، امریکی طیاروں نے دن بھر بمباری کی۔ محصور پاکستانیوں کو ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک مذہبی فرقے نے خصوصی طور پر انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا۔ بعد میں اتحادی فوجیوں نے عمارت پر تیل پھینک کر آگ لگا دی۔ ریڈ کراس نے ہفتے کے روز 131 اتوار کو 80 اور بعد میں جلی ہوئی عمارت کے ملبے سے 400 لاشیں نکالیں۔ اس قتل عام میں ہزارہ قبائل نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا''۔

1996ء میں کابل پر قبضے کے بعد طالبان انقلاب کی مزاحمت کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتیں انقلابات میں ہونے والی عام ہلاکتوں سے کہیں کم تھیں۔ قابل ذکر مقتولین میں ہزاروں افغانوں کا قاتل ڈاکٹر نجیب اللہ شامل تھا کابل میں طالبان کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتوں کی کل تعداد کے برابر پھانسیاں تو انقلاب ایران میں ہر روز دی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ لگاتار کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس کی زد میں اعتدال پسند وزیر خارجہ صادق قطب زادہ بھی آئے، وہ تو انقلاب کے بعد بانی صدر، بنی صدر فرار ہو گئے، ورنہ وہ بھی لٹکا دیئے گئے ہوتے۔ انقلاب کے بعد علماء کے ساتھ مل کر قربانیاں دینے

والے مجاہدین خلق انقلاب کیلئے فکری سرمایہ فراہم کرنے والے ڈاکٹر علی شریعتی کے حامیوں اور آیت اللہ خمینی کے جلا وطنی کے دوران انقلاب کی قیادت کرنے والے آیت اللہ شریعت مدار کے ساتھ جو سلوک ہوا، وہ قبل و بعد از انقلاب حالات کے عینی شاہد مختار مسعود کی کتاب ''لوح ایام'' میں درج ہیں۔ مزید تفصیلات بنی صدر کی کتاب **IT IS MY TURN TO SPEEK** میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ یہ چیزیں انقلاب کا حصہ ہیں مگر عمارتوں میں محصور اور ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار افراد کے قتل عام کو انقلاب کا حصہ کہنا یا موازنہ نہ کرنا زیادتی ہوگا۔

اپنی پسند ناپسند، داڑھی والے بغیر داڑھی والے، رجعت پسند اور ترقی پسند، بنیاد پرست اور لبرل کی بنیاد پر تقسیم کرنے کے بعد انسانی حقوق کا تعین کرنے والوں کو اس خیانت پر خود غور کرنا چاہیے، جہاں وہ صرف فقہی اختلافات کی بنیاد پر طالبان کی ہر بات میں کیڑے نکالنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں اور اپنی پسند کے گروہ کی ہر خرابی پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔

طالبان پر ایک بڑا اعتراض یہ تھا وہ ضدی، ہٹ دھرم اور بے لچک تھے اور ان کی اسی ہٹ دھرمی نے یہ دن دکھلائے۔ یہ دعویٰ کرنے والے دانشور بذات خود اتنے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں کہ وہ اپنے اس دعوے کی دوسری سمت دیکھنے کے بھی روادار نہیں۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ میرے نقطہ نظر سے اتفاق کرنا تو ایک طرف، اس کے حرفوں سے اپنی مرضی کے معانی برآمد کرلیں گے۔

''واشنگٹن پوسٹ'' سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں، جس میں تجزیہ نگار (جو امریکی ہے) لکھتا ہے کہ ''طالبان اور امریکی حکام کے درمیاب تین برس تک حل طلب مسائل پر بات چیت ہوتی رہی، مگر طالبان کی جانب سے لچک دکھانے اور مذاکرات پر آمادگی کے باوجود امریکیوں نے کبھی ان کی کوششوں کو سنجیدگی سے نہ لیا اور انصاف کے کٹہرے میں لانے کی شرط مانے بغیر اسامہ کی زندہ یا مردہ حوالگی کا مطالبہ جاری رکھا۔'' سی آئی اے کا ایک سابق سٹیشن چیف کہتا ہے کہ:'' ہم نے کبھی ان کی بات نہیں سنی۔ ہمارا مطالبہ تھا ہر صورت میں اسامہ کی حوالگی اور وہ کہتے تھے کہ اس کیلئے کوئی طریقہ کار ہونا چاہیے۔'' طالبان کا ایک وفد قالین کا تحفہ لیکر صدر بش کے پاس گیا اور مذکرات پر زور دیا۔ علاوہ ازیں ملا عمر نے سیٹلائیٹ فون کے ذریعے ایک اعلیٰ امریکی عہدیدار سے چالیس منٹ تک گفتگو کی اور اسامہ و دیگر مسائل پر امریکیوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر امریکی ان کی کوئی بات سننے کیلئے تیار ہی نہیں تھے۔

سی این این، بی بی سی اور دیگر اسی قبیل کی غیر جانبداری کا دعویٰ کرنے والی جانبدار خبر رساں ایجنیاں اور ٹیلی ویژن امریکی ہدایات کے عین مطابق پراپیگنڈہ کر کے دنیا کو یک رخی تصور دکھاتی رہیں اور ہمارے دانشور اور قلمکار اسی پراپیگنڈے کے سحر کا شکار رہے۔ تاہم اسامہ بن لادن اور طالبان کی حکومت کے خاتمے کے ایجنڈے سے شروع ہونے والا یہ یکطرفہ آپریشن جس طرح آہستہ آہستہ آشکار ہوتا جارہا ہے، اس کے مدنظر دانشوروں کو ہٹ دھرمی کے بجائے حقائق

کو سمجھ کر اپنے خیالات سے رجوع کرنا چاہیے۔ دانشور کو کم از کم ایاز امیر (''ڈان'' کے کالم نگار) جتنا وسیع القلب تو ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بعض تجزیوں سے رجوع کرے۔ ایاز امیر لکھتے ہیں: ''بیشمار پاکستانیوں نے جن میں انتہائی شرمساری محسوس کرتے ہوئے میں بھی شامل ہوں، یہ فرض کر لیا تھا کہ طالبان پاکستان پر رجعت پسندانہ اثرات ڈال رہے ہیں۔ اس مفروضے سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ طالبان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ بات پاکستان کے مفاد میں ہے۔ اگر چہ دو سرحدی صوبوں یعنی بلوچستان اور صوبہ سرحد پر طالبان کا کافی اثر تھا، مگر وہ اپنا سخت اور بے لچک انقلاب ہم پر مسلط نہیں کر رہے تھے۔ یہ ہم تھے جو ان پر اپنی سرپرستی مسلط کر رہے تھے۔''

آپ یقین کریں میں کبھی بھی طالبان کی غیر مشروط محبت میں اس طرح مبتلا نہیں ہوا، جس طرح طالبان کے مخالفین محض بغض معاویہؓ کی وجہ سے ان سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور نفرت کا یہ اظہار وہ انسانیت کے نام لیواؤں کو ان سے محبت نہ سہی، ہمدردی تو کرنی چاہئے تھی۔ مگر حقیقتاً یہ ہوا کہ انتہا پسندی کے خلاف اعتدال پسندی کے نام نہاد دعویداروں نے طالبان مخالفت میں باقاعدہ انتہا پسندی کا ثبوت دیا۔

جہاد بارے توازن کی باتیں کرنے والوں کو یہ بخوبی علم ہے کہ یہ ''جہاد'' طالبان نے شروع نہیں کیا تھا بلکہ ان پر مسلط کیا گیا تھا۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے ''لیٹ'' کر مار کھاتے یا کھڑے ہو کر۔ باعزت لوگوں کی طرح انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا، تاہم مجھے یہ اعتراف ضرور ہے کہ انہوں نے مار ضرور کھائی ہے مگر توازن اور طاقت کے موازنے کی بات کرنے والے امریکی مطالبات کی حد سے لاعلم دکھائی دیتے ہیں کہ امریکی طاقت سے ڈر کر اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے سے معاملہ ختم نہیں ہونا تھا۔ مزید مطالبات کی ایک فہرست تھمادی جاتی تھی، جو اسوقت تک جاری رہتی جب تک طالبان مزید مطالبات ماننے سے ہاتھ نہ کھڑا کر دیتے۔ اس کے بعد بھی وہی کچھ ہی ہونا تھا جواب ہوا ہے۔ مگر جب آپ ملبہ طالبان پر گرانے کا سوچ لیں تو بھلا کیا کیا جا سکتا ہے؟ آخر امریکہ نے وسطی ایشیائی ریاستوں کے قدرتی وسائل کے خزانوں پر کسی نہ کسی بہانے تو بیٹھنا تھا اور پاکستان، افغانستان اور ایران کے بنیاد پرستوں کیلئے کسی کو تو نمونہ عبرت بنانا ہی تھا۔ یہ قرعہ طالبان کے نام نکالا گیا کہ وہی سب سے اکیلے اور علیحدہ تھے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میں طالبان کا کبھی بھی غیر مشروط حامی نہیں رہا اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے بعد پیدا ہونے والے حالات سے پہلے اس بارے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا۔ مگر امریکی استعمار اور پاکستان کے ازلی دافکار دشمن اور ہندوستانی اشاروں پر چلنے والے شمالی اتحاد کے مقابلے پر میں غیر مشروط طور پر طالبان کے ساتھ تھا، ساتھ ہوں اور طالبان کے قصہ ماضی بن جانے کے بعد بھی اپنے اس مؤقف پر قائم رہوں گا۔ تاہم قابل شرم مقام ہے ان کیلئے جو صرف اپنی گروہی، نظریات یا فقہی وابستگیوں یا مخالفتوں کی بنیاد پر طالبان پر امریکی بمباری تک کا جواز فراہم کرنے سے باز نہیں آ رہے۔

تاریخ کے طالب علموں کیلئے تاریخ کے صفحات سے ایک خط نقل کر رہا ہوں، جو اپنی جگہ پر پورا ایک سبق ہے، بشرطیکہ ہم سبق قبول کرنے کیلئے آنکھوں پر لپٹی تعصب اور بغض کی پٹی کھول دیں۔

یہ قیصر روم کے نام حضرت امیر معاویہؓ کا مکتوب ہے جو مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان اختلاف ہونے پر کفار سے مفاہمت کرنے والوں کیلئے ایک تازیانہ ہے۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے باہمی تعلقات اسی نوعیت کے تھے، جیسا کہ دو متحارب فریقین میں ہو سکتے تھے۔ اسلامی مملکت علمی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس تقسیم کا فائدہ اٹھانے کیلئے قیصر روم نے ایران کے شمالی صوبوں پر لشکر کشی کا پروگرام بنایا۔ یہ شمالی صوبے حضرت علیؓ کی قلمرو میں شامل تھے اور قیصر روم کو توقع تھی کہ حضرت علیؓ کے زیر اقتدار صوبوں پر حملے کی صورت میں حضرت امیر معاویہؓ کم از کم غیر جانبدار ضرور رہیں گے۔ جب حضرت امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جو عربی فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہے اور ایک خاص صورتحال میں دیئے جانے والا ناقابل فراموش سبق ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے لکھا: ''لعین! مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے ایسی غلطی کی تو میں اپنے چچا زاد علیؓ سے صلح کر کے تجھ سے نبٹ لوں گا اور ان کا جو لشکر روانہ ہوگا، اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا۔ تم نے اپنے شہروں کی جانب مراجعت نہ کی تو اللہ کی قسم میں اور علیؓ تجھے تیرے ملک سے نکال باہر کریں گے اور زمین کو باوجود وسعت کے تم پر تنگ کر دیں گے۔''

جناب امیر معاویہؓ کا یہ مکتوب طالبان مخالفت میں (خواہ اس کیلئے کتنے ہی معقول جواز موجود کیوں نہ ہوں) یا اپنے پسندیدہ گروہ کی حمایت میں امریکی حملوں بلکہ امریکی مؤقف کی تائید کرنے والوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۱۲)

خطباتِ عید: نماز کے بعد دو خطبات سنت ہیں، انہیں خاموشی اور توجہ سے سننا چاہیے۔

جبری معانقہ و مصافحہ: خطبہ کے بعد امام کو مصلیٰ سے ہٹ کر ایک طرف ہو جانا چاہیے تا کہ لوگ آسانی سے منتشر ہو جائیں، اسی طرح نمازیوں کا ایک دوسرے کو یا امام کو سلام اور مصافحہ و معانقہ کرنا اور عید کی مبارک باد دینا بھی ثابت نہیں۔ گردنیں پھلانگنا، جلدی اور تیزی سے لپکنا اور جبری معانقہ و مصافحہ، سلام اور مبارک باد دینے کی کوشش کرنا قطعاً غلط اور خلافِ سنت اور بدعت ہے۔ اس غیر مسنون عمل سے بچنے کی سعی کرتے رہنا چاہیے۔

انسانی حقوق کے علمبردار کہاں ہیں.......؟

محمد عطاء اللہ صدیقی

جنگِ افغانستان میں امریکہ کا اصل وحشی چہرہ بے نقاب کیا ہے۔ وہ امریکی جو پوری دنیا کو انسانی حقوق اور تکریم آدم کو درس دیتے نہیں تھکتے تھے، آج نہتے مظلوم افغان مسلمانوں پر جدید مہلک اسلحہ کی بارش کر کے نہیں تھک رہے۔ بے بس، بے گناہ، اپنا دفاع نہ کر سکنے والے کمزور انسانوں پر بارہ بارہ گھنٹے مسلسل بمبار طیاروں سے وحشیانہ بمباری کر رہے ہیں، ایک فرد کی آزادیوں کی مبالغہ آمیز تبلیغ کرنے والے آج شہری آبادیوں کو آگ کے گولوں سے تاراج کر رہے ہیں بستے شہروں کو اجاڑ رہے ہیں، مگر ان کے ضمیر میں ذرہ برابر خلش نہیں ہوتی۔ عراق میں کیمیکل ہتھیاروں کو تباہ کرنے والے آج افغانستان میں خود کیمیکل ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نعرہ لگا کر منافق بھیڑیئے ریاستی دہشت گردی کی بدترین تاریخ مرتب کر رہے ہیں، عظمتِ آدم کے ترانے گانے والے آدم کشی کی ہولناک سرگرمیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ انسانی حقوق کو بےدردی سے پامال کر رہے ہیں۔ بے بس انسانوں کے خلاف طاقت کے استعمال کو دہشت گردی قرار دینے والے طاقت کا اس قدر بے رحمانہ استعمال کر رہے ہیں کہ انسانیت کانپ اٹھی ہے، انسان دوستی کو آفاقی مذہب کا درجہ دینے والے انسان کشی کا گھناؤنا کھیل کھیلنے میں بدمست ہیں۔ دیو استبداد نے جمہوری قبا اتار کر وحشت و بربریت کا رقص شروع کر دیا ہے۔ جو لوگ کہا کرتے تھے کہ امریکی اس کرہ ارض پر بدترین قوم ہیں، ان کے قول کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے۔ منافقت اور سازش جس طرح پوری قوم کی گھٹی میں بڑی ہوئی ہے۔ البتہ ہم ان کی انسان کشی کی وارداتوں کی مذمت کر کے انسانی اقدار کے زندہ ہونے کا ثبوت تو دے سکتے ہیں مگر ہمیں گلہ ہے پاکستان کے ان دانشوروں سے جو مہر بلب ہیں اور اس بے انتہا ظلم کے خلاف آواز بلند نہیں کر رہے۔

پاکستان کے وہ ترقی پسند شاعر و ادیب جو شکاگو کے چند مزدوروں کے بہائے جانے والے خون کو موضوع بنا کر رنج والم کے نوحے رقم کرتے رہے ہیں، آج ہزاروں بے گناہ افغانیوں کے خونچکاں المیے پر خاموش کیوں ہیں؟ شکاگو کے مزدوروں کے لہو سے تو ان کو پوری دھرتی لہولہو نظر آتی ہے، مگر آج کابل قندھار میں بہتی خون کی ندیاں ان کے تخیل کو تحریک کیوں نہیں دیتیں؟ ظلم اور مظلوم کے درمیان طبقاتی کشمکش کی داستانِ الم رقم کرنے والے اشتراکی دانشور آج امریکی مظالم کے خلاف صدائے احتجاج کیوں بلند نہیں کرتے؟ خون تو بہرحال خون ہے وہ شکاگو کے مزدوروں کا ہو یا افغانستان کے مردِ کہستانی کا، اس میں یہ امتیاز کیوں روا رکھا جائے۔ رنگ و نسل، مذہب و عقیدہ کی شناخت سے بلند ہو کر انسانیت کی بات

کرنے والے دانشور آج انسانیت کشی پر کس مصلحت کے تحت زبان نہیں کھول رہے؟ کیا افغان انسان نہیں؟ طالبان بنیاد پرست سہی مگر کیا وہ انسانی شرف سے بھی محروم ہو گئے ہیں؟ کیا تکریم آدم کا فلسفہ ان پر لاگو نہیں ہوتا؟ تو پھر اے روشن خیال دانشورو! تمہارے دماغوں میں اب روشنی کیوں نہیں رہی؟ تمہاری ترقی پسندی انسانی دوستی کے دعوے اگر سچے ہیں تو اٹھو آدم کشی کے اس المناک کھیل پر نوحے رقم کرو، انسانی قدروں کی پامالی کے غم میں ادب بارے تخلیق کرو، انسانیت کے زخموں پر اپنے لفظوں کے مرہم رکھو، تو اس کے تقدس کے چراغ جلاؤ، اے امریکی استعمار کی مخالفت کو ترقی پسندی کی بنیادی علامت قرار دینے والو! افغان عوام کے قتل عام پر صدائے احتجاج بلند کرو تا کہ تمہاری ترقی پسندی کا بھرم قائم رہے۔ سوویت یونین نے جب افغانستان پر چڑھائی کی تھی تو تم کہا کرتے تھے کہ وہ افغان حکومت کی دعوت پر افغانستان میں امن قائم کرنے آئے ہیں۔ اشتراکی ریچھ کی چیر پھاڑ کو ظلم قرار دینا تمہارے لئے مشکل تھا مگر امریکہ کی سفاکانہ جارحیت کے خلاف بھرپور آواز بلند نہ کرنے میں آخر کون سی مصلحت درپیش ہے؟ اگر تمہارا ضمیر زندہ ہے تو اس کی زندگی کا ثبوت فراہم کرو، اگر انسان دوستی تمہارا مذہب ہے تو یہ آج تم سے قلمی خراج مانگتا ہے، اگر ظلم کی مخالفت تمہارا ایمان ہے، تو یہ ایمان اظہار چاہتا ہے، اگر تمہارے لب یونہی بند رہے تو کہنا پڑے گا کہ تمہارے یہ سب دعوے محض ڈھونگ، فراڈ اور بے بنیاد ہیں۔ پھر تمہیں ماننا ہو گا کہ منافقت ہی تمہارا دین ہے۔

پاکستان میں انسانی حقوق کے علمبردار کہاں غائب ہو گئے ہیں؟ پاکستان میں انسانی حقوق کی پامالی کے متعلق ضخیم رپورٹیں مرتب کرنے والے افغانستان میں انسانی حقوق کی بدترین پامالی پر منہ میں گھنگھیاں کیوں ڈالے ہوئے ہیں؟ ۱۹۹۸ء میں پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تھا، تو انسانی حقوق کے علمبرداروں نے اس کے خلاف جلوس نکالے تھے، ان کا خیال تھا کہ اس دھماکے سے امن عالم خطرے میں پڑ گیا ہے۔ وطنی حمیت سے عاری امن کے جعلی منادوں نے پاکستانی قوم کے ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی قبر بنا کر اس کی بے حرمتی جیسی توہین آمیز حرکت بھی کی تھی۔ مگر آج امریکہ اور اس کے بدبخت حواری افغان عوام پر کلسٹر بم، نیپام بم، ڈیزی کٹر بم، کروز میزائل اور ٹام ہاک میزائل کی بارش برسا رہے ہیں، مگر انسانی حقوق کے یہ خود ساختہ علمبردار سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کیا ان کا سکوت اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ امریکہ کے تنخواہ دار ایجنٹ ہیں، وہ صہیونی لابی کے آلہ کار ہیں جن کا واحد مقصد پاکستان میں فساد برپا کرنا ہے۔ پاکستان میں قادیانیوں کی عبادت گاہوں کی پامالی کی جھوٹی رپورٹیں بھجوانے والی انسانی حقوق کی تنظیمیں افغانستان میں امریکی بمباری سے شہید ہونے والی مسلمانوں کی مساجد پر احتجاج کیوں نہیں کر رہیں؟

آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ اظہار کو بنیادی انسانی حقوق قرار دینے والی این جی اوز آج ہزاروں انسانوں کی المناک ہلاکتوں کے متعلق خاموش کیوں ہیں؟ یورپ اور امریکہ میں بھی بعض تنظیمیں افغانیوں پر ڈھائے جانے والے ظلم

وستم کے خلاف جلوس نکال رہی ہیں، مگر پاکستان میں این جی اوز نے سکوت اختیار کرنے کی پراسرار پالیسی اپنا رکھی ہے۔ آج سے تقریباً ایک سال پہلے پاکستان کی ۳۵۰۰ این جی اوز نے پاکستان کے بنیاد پرستوں کے خلاف اتحاد کے مظاہرے کے لئے اسلام آباد میں اکٹھ کیا تھا۔ آج افغانستان کے بے گناہ عوام کے انسانی حقوق کو تاخت کیا جارہا ہے، مگر این جی اوز کی طرف سے تادم تحریر احتجاجی مظاہرے نہیں کئے گئے۔

مغربی ذرائع ابلاغ کی طرف سے لوگوں کے خلاف مبینہ اقدامات کے خلاف بھرپور واویلا مچاتے رہے ہیں۔ طالبان کے خلاف عورت دشمنی کے حوالے سے سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ ان سے زبردستی حجاب کرواتے ہیں اور ایسی ملازمتوں کی اجازت نہیں دیتے جہاں مردوزن کے اختلاط پر مبنی ماحول ہو۔ طالبان کے اقدامات سے متاثر ہونے والی مغرب زدہ افغانی عورتوں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہے اور یہ عام طور پر کابل جیسے بڑے شہروں میں رہتی تھیں۔ مگر افغانستان میں امریکہ گردی کے نتیجہ میں ہزروں بے گناہ عورتیں ہلاک ہوچکی ہیں، لاکھوں بے گھر ہوچکی ہیں، لاکھوں بے گھر ہوکر اپنے بچوں کے ساتھ ہجرت پر مجبور ہوگئی ہیں، پاک افغان سرحد پر پہنچے ہوئے لاکھوں مہاجرین میں زیادہ تر تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے۔ مگر عورتوں کے حقوق کی دہائی دینے والی این جی اوز کی بیگمات کی رگِ نسوانیت پھڑکی ہے، نہ ان کا جذبہ انسانیت بیدار ہوا ہے۔

پاکستان میں ہندوستانی عورتوں کے ساتھ ککلی ڈالنے والے مغربی لابی کی ایجنٹ بیگمات افغان عورتوں کے خلاف اس قدر ظالمانہ کارروائیوں پر احتجاج کیوں نہیں کرتیں؟ کیا طالبان کے اقدامات امریکی جارحیت سے زیادہ ظالمانہ ہیں؟ غیرت کے نام پر قتل ہونے والی چند عورتوں کے حقوق کے لئے جلسے جلوس برپا کرنے والی انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار عورتیں افغان عورتوں کے انسانی حقوق کی بہیمانہ پامالی پر چشم پوشی کا مظاہرہ کیوں کررہی ہیں؟ اخبارات میں اجڑی ہوئی افغانی عورتوں کی رلا دینے والی تصوریں انسانی حقوق کے جعلی منادوں کے سینے میں دردوغم کی اتنی بھی لہر پیدا نہیں کرسکیں جتنی کہ انسان کے پاؤں میں کانٹا چبھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسقاطِ حمل کو عورتوں کا حق قرار دینے والی ''روشن خیال'' مترجلات افغانستان میں ہزروں معصوم، بے بس اور بے گناہ خواتین کے لرزہ خیز قتل عام پر اس لئے چپ ہیں کہ افغان عورتیں مسلمان ہیں اور طالبان کو پسند کرتی ہیں۔ اگر پہلے کسی کو شک تھا تو اب یہ بات واضح ہوجانی چاہیے کہ این جی اوز کی تحریک اپنے مقاصد اور عمل کے اعتبار سے تحریکِ نسواں کی بجائے تحریکِ نازن ہے۔ وہ صرف ایسی عورتوں کے حقوق کی بات کرتی ہیں جو مردوں کے مساوی حقوق میں دلچسپی رکھتی ہیں، جنہیں عورت بن کر رہنے کی بجائے مرد بننے کا زیادہ شوق ہے۔ عام عورتوں کے حقوق سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے!!

انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں نے چند روز پہلے امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ کولن پاول سے ملاقات کے دوران اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ انہیں اس بات پر کوئی تشویش نہیں کہ امریکہ افغانستان میں آدم کشی کی وحشیانہ کارروائی کررہا

ہے، ان کی تشویش یہ تھی کہ امریکہ چین، سوڈان اور دیگر ممالک کو بھی ''دہشت گردی'' کے خلاف مہم میں شریک کر رہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ان ممالک میں ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں کو جواز مل جائے گا۔ کولن پاول نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ان ممالک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر چشم پوشی نہیں کریں گے۔ انسانی حقوق کا یہی وہ امتیازی اور من گھڑت تصور ہے، جس کو جارح امریکہ اور اس کی لے پالک این جی اوز پوری دنیا میں پھیلا رہی ہیں۔

موجودہ افغان جنگ کے ضمن میں سب سے زیادہ افسوسناک کردار اقوام متحدہ کا ہے۔ اقوام متحدہ کا بنیادی مقصد اقوام کے درمیان جنگ کو روکنا ہے، مگر دہشت گردی کے نام پر افغانستان کے خلاف جارحیت کا لائسنس دینے کے لئے اقوام متحدہ نے صرف ایک گھنٹہ میں قرارداد منظور کی، بے گناہ شہریوں پر امریکی طیاروں کی براہ راست بمباری کے باوجود اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل خاموش ہیں۔ اقوام متحدہ جنگی عزائم کی روک تھام کی بجائے ان کو سند جواز عطا کر رہی ہے۔

اقوام متحدہ کے بلند وبالا دفاتر میں بیٹھ کر انسانیت کے خلاف جرائم کی طویل فہرست مرتب کرنے والے دانشوروں میں یہ اخلاقی جرات نہیں ہے کہ وہ افغانستان میں کارپٹ بمباری کے ذریعے شہری آبادیوں کو تباہ کرنے والے امریکہ کے خلاف فرد جرم قائم کر سکیں۔ انسانی حقوق کا چارٹر، یونیورسل اعلامیہ اور دیگر دستاویزات اقوام متحدہ کے ریکارڈ پر اب بھی قائم ہیں مگر ان کی حیثیت اب بے مقصد چیتھڑوں سے زیادہ نہیں ہے۔ افغانستان میں امریکہ کیمیکل ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کر رہا ہے۔ تباہی پھیلانے والے کلسٹر بم پھینک رہا ہے اور تازہ ترین اطلاعات کے مطابق نیوٹران بم پھینکنے کی مکمل تیاری کی جا چکی ہے۔ غرضیکہ انسانیت کے خلاف بدترین جرائم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ مگر اقوام متحدہ اب بھی سمجھتا ہے کہ امریکہ جو کچھ ریاستی غنڈہ گردی کر رہا ہے، وہ سب دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے ہے۔

انسانی حقوق کے علمبردارو! کچھ تو جواب دو کہ کیا افغان مسلمان نہیں ہیں؟ کیا افغان عورتوں کے حقوق نہیں ہیں؟ کیا افغان بچے بھی دہشت گردی کے ساتھ شریک جرم تھے کہ آج ان پر آتش وآہن کی بارش کی جا رہی ہے؟ انسان دوستی کو آفاقی مذہب کا درجہ دینے والو! سسکتی تڑپتی انسانیت تم سے جواب مانگتی ہے کہ امریکی مظالم کے خلاف تمہارا سکوت انسانیت کے خلاف جرائم میں بالواسطہ اعانت نہیں ہے؟

(از صفحہ ۳۹)

کوئی کچھ کہے، کوئی کچھ سمجھے، امر واقعہ یہ ہے کہ افغانستان کے ۹۰ فی صد علاقہ کو جو امن وسکون اور نظام عدل طالبان نے دیا تھا وہ سارے کا سارا ''جیتنے والوں'' نے غارت کر دیا۔ آج ہر وہ جگہ، جہاں ''جیتنے والوں'' کے قدم جاتے ہیں، وحشت و بربریت کا ثبوت فراہم کر رہی ہے جس پر خود ''جیتنے والوں'' کا میڈیا بھی گواہی فراہم کر رہا ہے۔

ع...... مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری!

محمد عمر فاروق

اسامہ بن لادن کے نام

مسلمان قوم کا شعار ہوگیا ہے کہ پہلے شخصیت کو بت کی طرح پوجتی ہے اور پھر غیروں کے پروپیگنڈے میں آ کر عقاب کی نظر سے اسی کی کمزوریاں چنتی ہے۔ جسے سادہ لوحی یا تلون مزاجی ہی کہا جاسکتا ہے۔ اسامہ بن لادن کے مجاہدانہ اور سرفروشانہ کارنامے تاریخِ عزیمت کی پیشانی کا جھومر بن کر آنکھوں کو خیرہ کئے ہوئے ہیں۔ وہ بلاشبہ دنیا میں اسلامی تحریکی تنظیموں اور جہادی جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے لئے ہیرو کا درجہ اختیار کر چکے ہیں اور دشمنوں کی نیندیں ان کے نام سے ہی اڑ چکی ہیں۔

اسامہ بن لادن کی دینی شہرت ہی ان کے مخالفین کیلئے وجۂ عناد بنی ہے اور وہ یہ پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں کہ محض خطیر دولت نے ہی اسامہ کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے۔ مغرب کے اس شرانگیز پروپیگنڈے سے بعض مسلمان بھی متاثر ہوکر الٹی سیدھی ہانک رہے ہیں اور حسبِ عادت بلاسوچے سمجھے ہر گمراہ کن دعوے پر ایمان لے آنے کی طبیعت کے تحت اسے بھی سچ سمجھ کر گوئبلز کے گماشتوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صرف دولت کے سہارے پر ہی شہرت نصیب نہیں ہوا کرتی اور شہرت مل بھی جائے تو اس کے بل بوتے پر دلوں کو تسخیر کرنا کہاں ممکن ہوا کرتا ہے۔ لوگوں کے جسموں پر اپنی حکمرانی کا دبدبہ بٹھانے والے بسا اوقات کسی ایک دل کو بھی جیت لینے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ دلوں پر اختیار تو دل والوں کا ہی چلا کرتا ہے۔

اسامہ بن لادن کے والد شاہ فیصل شہیدؒ کے جگری یاروں میں سے ایک تھے۔ جن کی وفات کے موقع پر ہی دنیا والوں نے سعودی مملکت کے فرمانروا فیصل کو سرعام روتے دیکھا تھا۔ باپ کی بے اندازہ دولت کا جو حصہ اسامہ کو ملا۔ وہ ان کی نسلوں کیلئے کافی تھا۔ سعودی شہزادوں کے ساتھ ان کی دوستی اور امراء کے ساتھ اٹھک بیٹھک اسامہ جیسے امیر کبیر شخص کا معمول تھا۔ دنیا جہان کی آسائشیں انہیں حاصل تھیں۔ لیکن ان کے دل مضطر کو قرار کی دولت نصیب نہ تھی۔ دنیا میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم انہیں بے چین رکھتے تھے۔ لیکن ان کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ان کا انتقام لے سکیں۔

جب افغانستان میں اسامہ کے روحانی بھائیوں کے روسی درندوں کے ہاتھوں قتلِ عام کی خبریں اسامہ تک پہنچتیں تو اس کا نورِ ایمان سے منور سینہ فگار ہوجاتا۔ اس کی غلافی آنکھوں سے خون کے آنسو بہتے۔ بالآخر اس نے افغان مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑنے کی ٹھانی اور ریشمی قباؤں اور نرم وگداز گدیلوں کو چھوڑ کر افغانستان کی سنگلاخ زمین میں آ پہنچا

اور کلاشنکوف ہاتھ میں تھام کر اللہ کے دین کے دشمنوں سے صف آراء ہوگیا۔ اسے اب دولت کی پرواتھی نہ اپنی جان اور اولاد کی۔ وہ اس وقت ایک بے لوث سپاہی اور جانباز مجاہد کی طرح سر ہتھیلی پر لئے پھرتا۔ جس وقت ہمارے اکثر منگول زادے اپنے سرخ آقاؤں کے تمغہ ہائے وفاداری گلے میں لٹکائے پھرتے تھے۔ افغان جہاد کے خلاف زبانِ طعن دراز کیا کرتے اور ماسکو سے روبل کی خیرات پاتے تھے۔

اسامہ آج بھی افغانستان میں خیمہ زن ہے۔ اسامہ ملتِ اسلامیہ کا وہ عظیم سپوت ہے، جس نے دولت بٹوری نہیں لٹائی ہے، جس کی وجۂ شہرت دولتِ دنیا نہیں قوتِ ایمانی اور غیرتِ دینی ہے۔ وہ ہمتوں کا پالا اور عزتوں کا رکھوالا ہے۔ اس کی رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ جو اسے کسی پل ٹکنے نہیں دیتی۔ وہ سراپائے جہاد ہے اور قتال فی سبیل اللہ کا داعی ہے۔ جہاں جان ہاری جاتی ہے۔ جہاں کانچ کے پیکر نہیں فولاد کے مردانِ آہن ہی ٹھہر سکتے ہیں۔ دولت اور سیم وزر کا متوالہ جہاں سے کوسوں دور بھاگتا ہے، کیونکہ یہ عزیمت کی راہ ہے۔ جو شہادتوں کے پاکیزہ اور مطہر لہو سے سیراب ہوتی ہے۔

یہ مردِ مجاہد اگر دولت کا طلب گار ہوتا تو وہ اسے سعودی عرب میں گھر بیٹھے حاصل تھی۔ وہ چاہتا تو امریکی ایجنٹ بن کر، کروڑوں ڈالر سمیٹ سکتا تھا۔ اور شہرت بھی بن بلائے مہمان کی طرح دوڑے چلی آتی۔ اسے دولت اور شہرت تو مل جاتی لیکن اس کا نام آج عزت واحترام سے نہ لیا جاتا بلکہ وہ شریفِ مکہ کی طرح سامراجیوں کا زلہ خوار کہلاتا اور نتیجہ کار شہنشاہِ ایران کی طرح دولت کام آتی اور نہ شہرت بلکہ گمنامی اور ذلت کی موت مقدر بن جاتی۔

لیکن اسامہ بن لادن نے جو کٹھن راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ خارزاروں کا راستہ ہے۔ جہاں پاؤں کانٹوں سے زخم زخم ہو جاتے ہیں۔ لیکن منزلِ مراد سے قربت کے لمحات میسر آتے ہیں۔ اسامہ جان جوکھوں میں ڈالے دنیا بھر کی باطل قوتوں کے خلاف معرکہ آرا ہے۔ وہ تساہل پسند نہیں بلکہ مشقت پسند ہے۔ روزانہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر نوے کلومیٹر کا سفر اس کا معمول رہا ہے۔ وہ ان پڑھ مُلا نہیں، جدید تعلیم یافتہ ہے۔ جس کی حالاتِ زمانہ پر نگاہ ہے۔ مدمقابل پر اس کا وار ہمیشہ کاری پڑتا ہے۔ اسی لئے امریکہ اس سے خائف اور برطانیہ اس کے خون کا پیاسا ہے۔ انہیں ڈر ہے کہ کہیں یہ ذرہ مہٴ کامل نہ بن جائے اور امتِ مسلمہ اس کی قیادت میں یہود و نصاریٰ کے خاتمے کیلئے متحد نہ ہو جائے۔ سامراج اسے مٹانا چاہتا ہے۔ مگر وہ یقین رکھتا ہے کہ موت زندگی کی حفاظت کیا کرتی ہے اور اہل ایمان مر کر بھی مرتے نہیں، زندہ جاوید ہوتے ہیں۔

❀❀❀

جیت کس کی........ ہار کس کی؟

عبدالرشید ارشد

جیت اور ہار کے پیمانے بھی ہر کسی کے اپنے ہیں کہ کوئی جیت کر بھی ہارتا ہے جبکہ کبھی بظاہر ہارنے والا جیتتا ہے۔ افغانستان کی جنگ میں کون جیتا اور کون ہارا، اس کا فیصلہ کیسے ہو؟ امریکہ اور اس کے حواری دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جیتے کیونکہ ہم نے کابل فتح کر کے شہری آبادی سے بدلہ چکا لیا ہے۔ امریکی بمباری سے بچ جانے والے ہماری گولیوں سے نہیں بچ سکے جس پر چہار سو بے گوروکفن بکھری لاشیں گواہ ہیں۔ خواتین کے سروں سے برقعے کھینچ کر، مردوں کی داڑھیاں منڈوا کر ہم نے انہیں طالبان کے ظلم سے آزاد کرا لیا ہے۔ جیت کی خوشی میں موسیقی بحال ہوگئی اور خواتین کو گھروں سے نکال لیا گیا ہے۔

ہارنے والا فریق کہتا ہے کہ ہار اور جیت اصولوں کی ہوتی ہے۔ میدان جنگ سے جنگی حکمت عملی کے تحت آگے پیچھے ہونے کا نام ہار نہیں ہے۔ ہمارا ''اصولی موقف'' مسلمان حکمرانوں جیسا نہیں ہے۔ ہمارا اصولی موقف قرآن وسنت کے مطابق تھا، ہے اور ان شاءاللہ رہے گا۔ اس اصولی موقف کی تشریح طالبان یوں کرتے ہیں کہ گھر آئے مہمان یا گھر میں پناہ لینے والے کو دشمن کے حوالے نہ کرنا اخلاقاً درست ہے نہ قانوناً، نہ ہی یہ بات اسلامی غیرت وحمیت سے میل رکھتی ہے دوسرے یہ کہ جب تک مسلمہ شواہد نہ ہوں ایسے شخص یا اشخاص کو مبینہ ملزم یا ملزمان کو کسی تیسرے فریق کے سپرد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مگر ٹھہریئے! لمحہ بھر کیلئے سوچیئے! اور فیصلہ کیجیے کہ طالبان اور ''بش اینڈ کمپنی'' کے مابین یہ واقعی جنگ تھی۔ عقل سلیم سے پوچھیئے تو سیدھا سا جواب ملتا ہے کہ یہ جنگ نہیں تھی بلکہ نہتے خود ساختہ ''دشمن'' کے خلاف ننگی جارحیت اور تاریخ کی بدترین دہشت گردی ہے۔ تاریخ کی بدترین اس لئے کہ ایک جانب ۹۰ فیصد ملک پر قابض پرامن حکومت اور مدمقابلہ مسلمہ عالمی دہشت گردوں (بش اور بلیئر) کے ساتھ عام غیر مسلم اور مسلم حکمران ہیں۔ اور نہتے کمزور ملک کا گناہ یہ ہے کہ وہ بدمعاش سے دلیل کے ساتھ بات کرنے کو کہتا ہے جبکہ بدمعاش کی لغت میں دلیل ہے ہی نہیں۔

دہشت گرد اگر کسی غریب پر پل پڑے اور ہر طرح کے ضابطہ اخلاق اور قانون کی دھجیاں بکھیرنے پر بضد ہو اور کمزور حکمت عملی کے تحت اس کے سامنے سے ہٹ جائے تو یہ نہ دہشت گردی کی جیت کہلاتی ہے اور نہ ہی غریب کی ہار، بلکہ ضمیر زندہ ہو تو دیکھنے والی ایسے متکبر پر، اس کے حواریوں پر لعن طعن کرتے نظر آتے ہیں کہ اس نے ظلم کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج قوموں کی برادری میں ظالم متکبر کو ظلم کے رویہ سے روکنے والا کوئی نہیں اٹھا، اس کے بندہ بننے پر سبھی خوش ہو رہے ہیں، آگے بڑھ بڑھ کر متکبر کو اپنی حمایت کا یقین دلا رہے ہیں، اس کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

مُلا معاویہ حنفی

طالبان نے کیا کھویا......؟

ان دنوں تمام صحافتی حلقوں کی توپوں کا رخ سادہ لوح بندوں طالبان کی طرف ہے، جی بھر کر ان کے خلاف ہذیان اگلا جارہا ہے۔ ان صحافتی بوجھ بجھکڑوں کا بس چلے تو طالبان کے ایک ایک فرد کو زندہ پیس کر رکھ دیں اور شاید اس کے باوجود ان کی آتش غضب ختم نہ ہو، انہیں غصہ ہے تو اس بات پر کہ طالبان نے ان کے قیمتی مشورے کیوں نہیں مانے اور ضد ،ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ شاید ان کی جھنجھلاہٹ اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب وہ سوچتے ہیں ''مُلا'' نے افغانستان پر حکمرانی کی ہے۔ طالبان نے اگر اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ اور اس سے امیدیں نہ لگائی ہوتی تو شاید ایسا کر گزرتے اور ان کے زرّیں مشوروں پر عمل درآمد کر کے اپنی آخرت برباد کر چکے ہوتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے۔ انہوں نے تو روز اوّل سے اس بات کا عہد اور عزم مصمم کیا تھا کہ اگر زمین کے ایک انچ پر بھی قبضہ ہوگا تو وہاں بھی اللہ رب العزت کے نازل کردہ احکام کی تنفیذ ہوگی، چاہے اس دوران ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے محض اقتدار پر قبضہ کرنا ہوتا تو انہیں ہزاروں کی تعداد میں اپنے جگر گوشے شہید، بچے یتیم اور خواتین بیوہ کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ واقعات کا کھوج لگایا جائے اور انصاف کے ساتھ تحقیق کی جائے تو یقیناً ان خودساختہ دانش وروں کا سارا بھرم کھل جائے گا اور اقبالؒ کی زبان میں کہنا پڑے گا۔

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہَری ہَری

اس وقت حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ طالبان نے شیخ اسامہ کو امریکہ کے حوالے نہ کر کے اپنے رویے میں لچک پیدا نہ کر کے کیا کھویا اور کیا پایا ہے.؟ مادہ پرستی سے چندھیائی نگاہوں سے دیکھا جائے اور بزدلوں کے خوفزدہ دھڑکتے دل سے سوچا جائے تو یقیناً انہوں نے کھویا ہی کھویا ہے، پایا کچھ بھی نہیں۔ البتہ بزدلی، بے غیرتی، نام نہاد حکمت عملی اور دوراندیشی کا سیاہ چشمہ اتار لیا جائے اور قرآن وحدیث کے اصول وضوابط اور اپنے عقیدہ ونظریہ کی نگاہِ دوربین سے دیکھا جائے تو طالبان نے ابھی تک کچھ نہیں کھویا بلکہ پایا ہی پایا ہے، یا کم تر درجے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ جہاں کچھ کھویا ہے تو وہاں زیادہ پایا ہے۔

آیئے! ذرا اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ طالبان نے کیا حاصل کیا ہے......؟ انہوں نے جب اسپین بولدک سے اپنی تحریک کا آغاز کیا تو وہ ایک بہت محدود اور چھوٹی سی جگہ تھی جبکہ دوسری طرف پورا افغانستان اور مدّ مقابل پورا عالم کفر تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے عدل وانصاف اور شریعت اسلامیہ کا پرچم حق تھام کر قدم بقدم آگے بڑھنا شروع کیا، انہوں

نے لازم قرار دے لیا تھا کہ جہاں جائیں گے قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس سے ہٹ کر کوئی ازم، کوئی جمہوریت، کوئی شہنشاہیت، کوئی قبائل جرگہ یا دیگر مین میڈ لاز نہیں چلیں گے۔ چنانچہ انہیں اللہ رب العزت کی خصوصی نصرت حاصل ہوئی اور کئی صوبے تو انہوں نے بغیر لڑے فتح کر لئے۔ یہ ان کے اعلیٰ اخلاق و اوصاف اور عدل و انصاف کی فتح تھی، حتیٰ کہ افغانستان کا پچانوے فیصد سے زائد حصہ ان کے زیر نگیں آ گیا۔ اس وقت افغانستان جو کہ پہلے سینکڑوں مملکتوں کا منظر پیش کر رہا تھا اور وہاں کسی انسان کا قتل کر دینا معمولی سی بات تھی، اب مکمل امن و امان اور قومی وحدت کا منظر پیش کر رہا تھا، آپ تحقیق کر کے دیکھ لیجیے کہ طالبان کے زیر قبضہ علاقوں میں کتنی ڈکیتیاں ہوئیں؟ کتنی چوریاں ہوئیں؟ کتنے قتل ہوئے؟ کتنی آبروریزیاں ہوئیں؟ تحقیق کی جائے تو یقیناً حیران کن معلومات ہوں گی کہ جہاں پاکستان کے ایک ضلع میں ایک دن کے اندر جتنے جرائم پیش آتے ہیں وہاں ملک بھر میں شاید سال بھر میں بھی نہیں ہوئے ہوں گے اس لئے کہ وہاں قرآن کا حکم لاگو تھا، قانون کی بالادستی تھی، عدل و انصاف مفت اور آسان دستیاب تھا، طالبان کے مثالی دور میں ایک شخص بغیر کسی خوف اور ڈر کے کروڑوں کا سامان ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک لے جا سکتا تھا۔ آکسفورڈ کے پڑھے لکھے اور مغرب سے مرعوب لوگ بہت جلد بے دھیانی میں کہہ جاتے ہیں کہ طالبان جاہل تھے انہیں سوائے طلاق، وراثت، نماز، روزہ اور فرقہ ورانہ مسائل کے کچھ آتا ہی نہیں تھا، کیا پوچھا جا سکتا ہے کہ اس ملک میں بہترین تعلیم یافتہ، ممتاز قانون دان، اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک انتظامیہ، عسکری لحاظ سے طاقتور فوج ہونے کے باوجود جرائم کی تعداد اور رفتار کیا ہے ...... اور کیوں ہے؟ ''ان پڑھ مُلا'' نے پوری دنیا کی مخالفت اور تمام تر اقتصادی پابندیوں کے باوجود انداز جہانبانی کی بہترین مثال قائم کی ہے۔ یہی بات پوری دنیا کے کفار اور یہود و نصاریٰ کو کھلتی تھی، ان کے جسم کا رُواں رُواں لرزاں رہتا تھا کہ ایک ملک میں مکمل اسلامی نظام کیوں نافذ ہے اور اس کے نتیجے میں وہاں امن و امان کی کیفیت کیوں ہے؟ دنیا بھر کے کافروں نے امارت اسلامی افغانستان کے خلاف مختلف انداز اور اطراف سے حملہ آور ہونے کی کوشش کی، کبھی خواتین کی بے حرمتی اور ان کی آزادی سلب کرنے کے الزام لگائے، کبھی جدید تعلیم بند کرنے کے الزام لگائے، کبھی پوست کی کاشت کا الزام۔ جب کسی طرح بھی پیش نہ گئی تو طالبان پر دہشت گردوں کو پناہ دینے کا الزام لگا دیا۔ دہشت گردی کا الزام ان پر لگایا گیا جنہیں کل تک امریکہ مجاہد کہتا رہا تھا۔ بدقسمتی کہہ لیں یا کچھ اور کہ شیخ اسامہ بن لادن جو بیت المقدس کی آزادی اور جزیرۃ العرب سے امریکی فوجوں کے انخلاء کے داعی ہیں وہ بھی افغانستان میں موجود تھے، انہیں چند جھوٹے واقعات میں ملوث بتا کر طالبان سے مانگنا شروع کر دیا کہ یہ شخص ہمارے حوالے کر دو۔

شیخ اسامہ بن لادن طالبان کے صرف مہمان ہی نہ تھے بلکہ پوری افغان قوم کے محسن بھی تھے اور ان کا سب سے بڑا رشتہ اسلام کا تھا، وہ طالبان کے مسلمان بھائی تھے، دنیا کے کسی بھی اخلاقی اصول میں نہیں ہوتا کہ دشمن اگر بھائی کو

طلب کرے تو اس کے حوالے کردو، یہاں تو دین کا رشتہ تھا، کیسے امریکہ کے حوالے کر دیا جاتا۔ کوئی ثبوت، کوئی گواہ کسی قسم کے شواہد...... ؟ کچھ بھی تو نہیں۔ ۱۱ ستمبر کا واقعہ بلا شبہ غیر معمولی واقعہ تھا، ہزاروں جانیں اس میں تلف ہوگئیں، مگر اس واقعے کی تمام تر ذمہ داری چند ہی گھنٹے کے بعد شیخ اسامہ پر ڈال دی گئی۔ تحقیق و تفتیش کا کوئی ایک مرحلہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ امریکہ نے امارتِ اسلامی سے شیخ کو مانگا اور حوالے نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔ ۱۱ ستمبر سے لے کر ۷ر اکتوبر تک طالبان کے خلاف جائز و ناجائز ہر طرح کی میڈیا مہم چلائی گئی، انہیں جاہل، اجڈ، گنوار، دقیانوسی اور پتھر کے زمانے کے لوگ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یقیناً طالبان آج کے نہیں پتھر کے زمانے کے لوگ ہیں تبھی تو اپنے اس موقف پر چٹان کی طرح ڈٹ گئے کہ پہلے ثبوت بعد میں کچھ اور، اگر نرم و نازک دور جدید کے لوگ ہوتے تو شاید "صاحب عصر" کی طرح چوبیس گھنٹے سے بھی پہلے وہ شیخ اسامہ کو ہتھیلی پر رکھ کر امریکہ کے قدموں میں پیش کر چکے ہوتے۔ طالبان نے اس سلسلے میں جو مؤقف اپنایا وہ قانونی تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ دین و شریعت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ طالبان اگر شیخ اسامہ کو بغیر کسی ثبوت کے امریکہ کے حوالے کر دیتے تو یہ شریعت اسلامیہ سے انحراف کے مترادف ہوتا، چلئے اگر ثبوت ہوتے بھی تو کیا شریعت انہیں ایک مسلمان کو کافر کے حوالے کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ پھر بھی انہوں نے اس سلسلہ میں وہ تدبیر اختیار کی جو معاملات کو سدھار سکتی تھی

انہوں نے ۱۱ ستمبر کے واقعے سے قبل امریکہ سے کہا تھا کہ شیخ اسامہ کے متعلق ثبوت افغانستان کی اسلامی عدالت میں پیش کئے جائیں تاکہ یہاں ان کا محاسبہ ہو سکے۔ اس کیلئے انہوں نے امریکیوں کو ایک ماہ سے زائد مہلت بھی دی مگر امریکہ ایسا کرنے سے قطعی قاصر رہا۔ طالبان نے دوسری تجویز دی کہ تین اسلامی ملکوں کے جید علماء پر مشتمل بینچ اس بات کا فیصلہ کرے کہ اسامہ مجرم ہیں یا نہیں؟ امریکہ اس طرف بھی نہیں آیا، تیسری تجویز غالباً او آئی سی کے حوالے سے تھی مگر امریکیوں پر ایک ہی ضد سوار رہی کہ نہیں! اسامہ ہمارے حوالے کر دو ورنہ...... ؟

۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ نے شیخ اسامہ بن لادن کی حوالگی کی رٹ لگائے رکھی اور اس کے علاوہ کوئی اور بات سننا یا سوچنا گوارا ہی نہیں کی حالانکہ نیویارک اور واشنگٹن میں ہونے والی دہشت گردی کے تمام اشارے، کنائے یہودیوں کی طرف جاتے ہیں۔ ۴ ہزار یہودیوں کا ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے غائب ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہودی اس دہشت گردی میں ملوث تھے۔ دنیا بھر کے ماہرین قانون، عالمی قانون ساز ادارے، روس، چین اور فرانس کے علاوہ اکثر ممالک نے افغانستان کے خلاف جارحیت پر اپنے اپنے تحفظات پیش کئے، اس سب کچھ کے باوجود امریکہ نے بڑے ملکوں کو نرمی اور لجاجت سے سمجھا بجھا کر اور پاکستان، ازبکستان جیسے غریب ملکوں کو ڈرا دھمکا کر اپنی جارحانہ اور ظالمانہ کارروائی میں حصہ لینے پر مجبور کیا۔ کولن پاؤل کا بیان ریکارڈ پر ہے کہ اس نے کہا "ہم نے پاکستان سے کہا کہ وہ دہشت گردی کے خلاف ہماری مہم میں شامل ہو جائے ورنہ وہ دنیا بھر میں قرضوں کے بوجھ تلے دبا تنہا ملک رہ جائے گا"۔ ۷ر اکتوبر سے امارت

اسلامی افغانستان پر امریکی جارحیت کا آغاز ہوا اور اس نے چھوٹے سے ملک پر بدترین بمباری کا آغاز کیا، پہلے ہی حملے میں افغانستان کے تمام بڑے شہروں میں موجود سرکاری عمارتوں، فوجی تنصیبات اور عسکری چھاؤنیوں کو نشانہ بنایا گیا۔ یہ سلسلہ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک چلا۔ اس دوران طالبان نے نہ صرف بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا بلکہ امریکہ طالبان کی چھوٹی قیادت سے لے کر اعلیٰ قیادت تک کسی کو بھی نشانہ بنانے میں ناکام رہا، امریکہ نے اپنی دانست میں افغانستان پر فضائی برتری حاصل کرنے کے بعد جیسے ہی قندھار پر زمینی حملہ کرنے کیلئے اپنے کمانڈوز اور ہیلی کاپٹر بھیجے تو اسے اپنی لاشوں کے سوا کچھ نہ ملا اور وہ بری طرح ناکام ہوگیا۔ فضائی حملوں کے طول پکڑنے اور زمینی حملہ کرنے کے باوجود کسی قسم کی کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے اس پر شدید جھنجھلاہٹ طاری ہوگئی اور افغانستان کی شہری آبادی کو نشانہ بنانا شروع کیا، ساتھ ہی افغان عوام میں چھپے ہوئے غداروں کو تلاش کر کے انہیں ڈالر اور اسلحہ مہیا کیا اور انہیں طالبان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔

یہاں ٹھہر کر ذرا سوچئے کہ ایک ایسا ملک، جس کے پاس، ہر طرح کے وسائل ہوں، بہترین فوج ہو، جنگی ساز و سامان ہو وہ ملک جارح دشمن کا تا دیر مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تین جنگیں ہوئیں، تینوں چند روز سے زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں، مگر ان کے اثرات آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں۔ اے ء کی جنگ میں پاکستان ایک بازو گنوا بیٹھا اور نوے ہزار فوج بھارت کی قید میں چلی گئی۔ عربوں اور اسرائیل کے مابین دو جنگیں ہوئیں اور چند روز سے زیادہ عرصہ عرب جنگ نہیں لڑ سکے۔ افغانستان کا معاملہ تو ان سے بالکل مختلف تھا، پاکستان، سعودی عرب اور عرب امارات نے بھی سفارتی تعلقات توڑ دیئے، عرصہ سے جاری اقتصادی پابندیاں اور پاکستان کا طالبان کے خلاف امریکی مہم میں فرنٹ لائن پر جا کھڑے ہونا، یہ تمام بیان کردہ مشکلات معمولی نہیں، اس کے باوجود طالبان نے دین، عزت، غیرت، ملت اور افغان روایات سے دست بردار ہونے سے انکار کیا، شہری آبادی کو نقصان سے بچانے اور اپنی جنگی نفری کو محفوظ رکھنے کیلئے افغانستان کے بیشتر علاقوں سے واپس نکلنے کا عظیم فیصلہ کیا۔ یہ جنگی حکمت عملی تھی، اکثر علاقوں سے بڑے منظم انداز میں واپسی ہوئی، مزار شریف سے طالبان کے مایہ ناز کمانڈر ملا داد اللہ اپنی فوجوں کو محفوظ راستوں کی طرف نکالنے کے بعد آخر میں خود نکلے۔ کابل سے بھی اس انداز میں پیچھے ہٹے کہ چوبیس گھنٹے تک شمالی اتحاد والوں کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ طالبان شہر سے نکل گئے ہیں۔ مشرقی اور جنوبی صوبوں سے واپسی بھی اسی انداز میں ہوئی۔ یہاں ایک بات ذہن میں رکھئے کہ طالبان کی حکومت کوئی شخصی یا دنیاوی حکومت نہیں تھی بلکہ خالصتاً اسلامی حکومت تھی، اس لئے طالبان کی واپسی کو محض مادی نگاہوں سے دیکھنے کی بجائے قرآن و حدیث اور امور تکوینیات کے حوالے سے بھی دیکھنا ہوگا۔ اسلامی امارت مسلمانوں کی متحدہ قوت کی علامت، دین اسلام کی آبرو اور اللہ رب العزت کی طرف سے سایۂ رحمت ہوتی ہے۔ دانا و حکیم لوگ جانتے ہیں کہ نعمت کی بے قدری ہو تو وہ واپس لے لی جاتی ہے، طالبان من جانب اللہ فرستادہ تھے، وہ اللہ کی نعمتوں کی رداء خاص تھے

۔لوگوں نے ان کی قدر کی تو اللہ پاک اپنی نعمتوں کی اس رداء کو پھیلاتے چلے گئے، یہاں تک کہ ناقدروں تک پہنچ کر رک گئی ،اس رداء رحمت کے سایہ میں لوگوں کو امن، سکون، راحت اور معاشی فارغ البالی ملنا شروع ہوئی، دین کی عظمت کا جھنڈا بلند ہوا مگر جب لوگوں نے ناقدری شروع کی اور امریکہ سے ڈالر اور اسلحہ لے کر امارت اسلامی کے خلاف بغاوت کیلئے پر تولنے لگے تو اللہ پاک نے اپنی رداء رحمت سمیٹ لی۔ یہ حقیقت ہے کہ طالبان جہاں جہاں سے واپس پلٹے ہیں، وہاں وہاں فتنوں، خونریزیوں اور لوٹ مار کے بندھن کھل گئے ہیں، اس وقت طالبان کے چھوڑے ہوئے علاقوں میں ۹۴ء سے قبل کی بدامنی سے بھی زیادہ سنگین حالات ہیں۔ افغانستان کے لوگ طالبان کو پکار رہے ہیں اور دہائیاں دے رہے ہیں کہ تم ہمیں چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟ مگر اب یہ شاید پکار...... یہ آہ و بکا صدا بصحرا ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کا جرم جیسا ہوا، ویسی ہی نقد سزائیں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ عالم اسلام کے مسلمان طالبان کی وجہ سے فخر محسوس کرتے تھے ،انہوں نے اپنی حکومتوں کو طالبان کی وجہ سے اچھے تعلقات پر مجبور نہیں کیا، امریکی جارحیت کے موقع پر مسلم حکمران الگ بیٹھے مظلوم طالبان کا تماشا دیکھتے رہے تو ان کا فخر چھن گیا۔ پاکستان مسلمان اور ہمسایہ ملک ہونے کے ناطے اس قہر الٰہی کا زیادہ نشانہ بنا ہے۔ کابل سے طالبان کے نکلتے ہی پاکستان کی نامرادیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ پاکستانی حکمرانوں نے بدمعاش امریکہ کا ساتھ دے کر افغانستان کے ساتھ بدترین بدعہدی کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ جہاں ایک طرف امریکہ اسے نظرانداز کر چکا ہے وہیں جغرافیائی لحاظ سے دشمنوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گیا ہے۔ جغرافیائی اور عسکری ماہرین کی آراء کی روشنی میں مستقبل کی ممکنہ تباہی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں اس بات کے کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ پاکستان بھر میں پھیلی ہوئی جہادی اور دینی تنظیموں نے بھی اپنی شرعی ذمہ داری پوری نہیں کی، قرآن مجید اور حدیث میں بیان کردہ ذمہ داریوں سے ہٹ کر انہوں نے پرامن مظاہرے، ہڑتالوں اور عمل سے خالی پرجوش تقریروں پر اکتفاء کیا، چنانچہ ان کے گرد پنجۂ یہود رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے اور ان کا بھی گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ اس سارے پس منظر میں طالبان نے کیا پایا؟ تو سنیئے! اگر آپ قرآن مجید پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا اقرار کرتے ہیں۔

☆ ایک جگہ جمع ہونے سے ان کی قوت مجتمع اور متحد ہوگئی ہے۔ ☆ اب وہ امریکہ کیلئے آسان نشانہ نہیں رہے ☆ انہیں گوریلا کارروائیاں کرنے میں آسانی ہوگئی ہے۔ ☆ بغاوتوں اور کسی بڑے سانحے سے بچ گئے ہیں۔ ☆ ان کی وجہ سے جو بے گناہ شہری شہید ہو رہے تھے، محفوظ ہوگئے۔ ☆ اس کڑے وقت میں کھرے اور کھوٹے کی پہچان آسان ہوگئی ہے۔ ☆ اب ان لوگوں کی آنکھیں بھی کھل گئی ہیں جو رات دن طالبان کی مخالفت کرتے تھے کہ وہ ان کے تحفظ کے ضامن تھے۔ ☆ بہت سے طالبان کو اللہ پاک نے شہادت سے نوازا ہے، جو ان کی عنداللہ قبولیت کی زندہ علامت ہے اور یقین والوں کیلئے بڑا درس۔

حضرت امیر المؤمنین دامت برکاتہم نے یقین و ایمان بھرے لہجے میں فرمایا کہ امریکہ عنقریب تباہ ہونے والا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

نعشوں پر اڑتی فاختائیں

جاوید چودھری

کرنل امام پاکستانی افسر ہیں، ہرات میں پوسٹ ہیں۔ایک سال پہلے میں نے ان سے افغانستان اور پاکستان میں فرق پوچھا تو انہوں نے مختصری بات کی اور خاموش ہوگئے۔انہوں نے بتایا، وہ ہرات سے چلے تو ان کے ساتھ صرف ایک ڈرائیور تھا، ان دونوں نے قریباً اٹھارہ گھنٹے سفر کیا، ان اٹھارہ گھنٹوں میں انہیں اکیلا پن محسوس ہوا اور نہ ہی انہیں سفر کے اندیشوں نے گھیرا، ان کے پاس اپنی حفاظت کیلئے چاقو تک نہیں تھا لیکن جونہی یہ لوگ طورخم پہنچے تو انہیں پشاور جانے کیلئے مسلح محافظوں کی ضرورت پڑ گئی، کرنل امام نے بتایا جب وہ پاکستانی چیک پوسٹ سے آگے نکلے تو پیراملٹری فورسز کے جوانوں کی ایک گاڑی ان کے آگے تھی اور ایک پیچھے!

یہ افغانستان تھا، ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۱ء تک کا افغانستان، جس میں بھوک، غربت اور افلاس کے باوجود امن تھا، جس نے ثابت کر دیا، جرم کا غربت اور افلاس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، اگر قانون مضبوط اور قطعی ہو تو بھوکا بھوک سے تو مر سکتا ہے لیکن سامنے پڑی روٹی نہیں اٹھاتا، افغانستان کے نوے فیصد علاقے میں چوری نہیں ہوتی تھی، ڈاکے نہیں پڑتے تھے، قتل نہیں ہوتے تھے، لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد نہیں ہوتا تھا، آبروریزی اور چھیڑ چھاڑ نہیں ہوتی تھی، تانکا جھانکی اور لوٹ کھسوٹ نہیں ہوتی تھی، ملاوٹ، چور بازاری، کم تول اور بلیک مارکیٹنگ نہیں ہوتی تھی، انصاف سب کو ملتا تھا، حکام تک رسائی سب کو حاصل تھی، مساوات اور برابری تھی، قرآن قانون تھا اور عالم منصف، اطاعت امیر کا یہ عالم تھا کہ حکمران نے حکم دیا ''اپنا اپنا اسلحہ جمع کرا دیں'' پورا افغان معاشرہ اڑھائی ہزار سال کی تاریخ میں پہلی بار غیر مسلح ہوگیا، امیر نے حکم دیا ''اب ملک میں افیون، چرس اور ہیروئن کا کاروبار نہیں ہوگا'' ایک ہی ہفتے میں وہ معجزہ ہوگیا جو یورپی ادارے کروڑوں ڈالر اور برسوں کی محنت کے باوجود نہ کر سکے، حکومت نے روپے پیسے کے بغیر سڑکیں، پل اور ڈیم بنانے کا قصد کیا، ڈیم بن گئے، پل تعمیر ہوگئے، سڑکیں تیار ہوگئیں، حکمرانوں نے غیر ملکی امداد کے بغیر بجلی گھر چلائے، ٹیلی فون لائنیں بچھائیں، ٹرانسپورٹ کا نظام ٹھیک ہوگیا۔اس دور میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء کے مقابلے میں افغانستان میں خوشحالی تھی، امن تھا اور سکون تھا، پورے افغانستان میں حکومت کے خلاف کوئی نعرہ نہیں لگا، کوئی احتجاج نہیں ہوا، کوئی جلسہ، کوئی جلوس نہیں نکلا لیکن یہ افغانستان امریکہ اور یورپ کیلئے قابل قبول نہیں تھا، امریکہ نے کبھی برقعے کے نام پر، کبھی خواتین کی تعلیم، کبھی جبری داڑھی، کبھی بت شکنی اور کبھی عیسائی مبلغین کے نام پر طالبان کی شدید مخالفت کی، کبھی ان لوگوں کو انتہا پسند کہا، کبھی

انہیں دہشت گرد کا نام دیا اور کبھی انہیں انسانیت کا دشمن ثابت کر کے ان پر پابندیاں عائد کریں اور آخر میں ان لوگوں کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون کے مجرم قرار دے کر ان پر حملہ کر دیا، سات اکتوبر سے تیرہ نومبر تک امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایٹم بم کے سوا اپنا سارا اسلحہ ان پر لوگوں پر استعمال کیا، امریکہ نے ان پر ٹام ہاک کروز میزائل، اے ایم ایم بم، ایم کے ۸۲ ڈمب بم، بی ایل یو ۸۲ ڈیزی کٹر بم، جی بی یو ۲۷ بنکر لینڈنگ بم اور کلسٹر بم چلائے، پورے افغانستان میں بموں کے قالین بچھا دیئے۔ یہ کارروائی مسلسل ۳۸ روز تک جاری رہی، یہاں تک کہ ۱۳ نومبر کی صبح طالبان نے کابل خالی کر دیا اور امریکہ کے حامی شمالی اتحاد کی فوجیں افغانستان کے دارالحکومت میں داخل ہو گئیں۔

اب دیکھئے! ۱۳ نومبر اور ۱۳ نومبر کے بعد کیا ہوا؟ شمالی اتحاد کے فوجیوں نے باریش لوگ پکڑے، ذبح کئے اور نعشیں درختوں پر لٹکا دیں، زخمی طالب کو مورچے سے گھسیٹا، تلاشی لی اور چھاتی پر برسٹ مار دیا، رائفلوں کے بٹ مار مار کر لوگوں کو شہید کر دیا، بوڑھے شخص کے منہ میں مارٹر کا گولہ ٹھونس دیا، نعشوں کو ٹھڈے مارے، شہر میں دکانیں لوٹ لیں، خواتین کی بے حرمتی کی، نابالغ لڑکے اغوا کر لئے، بنک لوٹ لئے، خواتین کے برقعے نوچ لئے، ریڈیو پر موسیقی بجانی شروع کر دی، کابل شہر مختلف کمانڈروں نے آپس میں تقسیم کر لیا، وہ افغانستان جس کا نوے فیصد حصہ ایک حکومت تلے متحد تھا وہ افغانستان ایک ہی رات میں بارہ حصوں میں تقسیم ہو گیا، اس میں نصف درجن حکومتیں قائم ہو گئیں اور ہر حکومت نے اپنے دستور کا اعلان کر دیا۔ افغانستان جس میں لوگ بیوی بچوں اور ڈھور ڈنگروں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پرامن زندگی گزار رہے تھے۔ اس افغانستان میں وسیع پیمانے پر نقل مکانی شروع ہو گئی اور صرف ایک ہی رات میں افغانستان ۲۰۰۱ء سے نکل کر ۱۹۹۵ء میں داخل ہو گیا، ۱۹۹۵ء میں جب ایک افغانی ایک کلو گڑ لینے نکلتا تھا۔ تو وہ بکتر بند گاڑی یا ٹینک کے بغیر بازار نہیں پہنچ پاتا تھا۔ مجھے یقین ہے آج اگر کوئی کرنل امام ہرات سے نکلے تو وہ دس بیس ہزار جوانوں اور دو تین سو ٹینکوں کے ساتھ ہی جلال آباد پہنچ سکے گا۔ یہ ایک فرق ہے، کل طالبان تھے تو برطانوی صحافی رڈلی کی عصمت بھی محفوظ تھی اور جان بھی، عیسائی مبلغین اس دور میں بھی محفوظ تھے۔ جب افغانستان میں امن تھا اور ان دنوں میں بھی ان کا بال بیکا نہیں ہوا۔ جب ان کے ہم مذہب آسمان سے قہر اور آگ برسا رہے تھے اور ان کی آگ میں سینکڑوں ہزاروں معصوم اور بے گناہ لوگ بھسم ہو گئے۔ لیکن جس دن یہ لوگ رخصت ہوئے اسی دن شمالی اتحاد کے ساتھ فتح کے ترانے بجاتے ہوئے آنے والے تین غیر ملکی صحافی جان سے چلے گئے۔ ذرا دیکھئے! یہ افغانستان آگ کی طرح دہکتا اور لاوے کی طرح بہتا افغانستان، ایک دوسرے کا گلہ کاٹتا، ایک دوسرے سے لڑتا جھگڑتا خانہ جنگی، بدامنی اور افراتفری کا شکار افغانستان نہ صرف امریکہ کو قبول ہے بلکہ وہ اس پر خوش بھی ہے۔ آج افغانستان میں نعشیں بکھری پڑی ہیں۔ نالیوں میں خون بہہ رہا ہے، کمانڈر آپس میں برسر پیکار ہیں، لوٹ کھسوٹ، آبروریزی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ لیکن امریکہ خوش ہے۔

بش اور ٹونی بلیئر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ یہ کیا ہے؟

یہ کیا ہے! یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ تھی یا امن کے خلاف، یہ بے انصافی کے خلاف مہم تھی یا انصاف، عدل اور مساوات کے خلاف، خدا کی قسم اس سٹینڈرڈ کو تو ڈبل سٹینڈرڈ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کیا اصول، یہ کیا قانون ہے ایک قوم اپنی انا کی تسکین کے لئے پوری دنیا تباہ کر دے تو یہ اس کا حق ہے۔ لیکن وہی قوم دوسری قوم کو اپنی مرضی اپنی رضا سے سانس لینے کا استحقاق تک دینے کے لئے تیار نہیں، یہ کیا لوگ ہیں جو نعشوں پر کھڑے ہو کر امن کی فاختائیں اڑاتے ہیں۔ جو کھوپڑیوں کے میناروں پر شانتی کے پرچم لہراتے ہیں اور سات براعظموں پر پھیلی اس زمین پر ان کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں، کوئی نہیں جو انہیں بتا سکے حضور پھول گملوں میں اُگا کرتے ہیں، بموں کے خولوں اور توپوں کے دہانوں میں نہیں اور امن کے گیت انسان گایا کرتے ہیں نعشیں نہیں۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' لاہور، ۱۷ر نومبر ۲۰۰۱ء)

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ ملتان/ ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۱ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت، حضرت پیر جی دامت برکاتہم

سید عطاء المہیمن بخاری

(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

الداعی: سید محمد کفیل بخاری، ناظم، مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان فون: 061-511961

شرابی اجازت نامے

محمد عابد مسعود ڈوگر

کئی برس ہوتے ہیں کہ پنڈت جواہر لعل نہرو نے ایک ملاقات میں اس وقت کے پاکستانی وزیر اعظم جناب لیاقت علی خان مرحوم سے پوچھا کہ ''لیاقت! کراچی میں قائم شراب خانوں کی تعداد کیا ہوگی؟'' لیاقت علی خان نے جواباً شراب خانوں کی تعداد بتلائی جو اس وقت دارالحکومت میں قائم تھے تو پنڈت نہرو نے کہا کہ ''لیاقت! اتنے شراب خانے اور مے فروشی کی دکانیں تو دہلی میں بھی نہیں۔ اگر یہی کچھ دوقومی نظریے کے نام پر کرنا تھا تو ہم اکٹھے رہ کر زیادہ بہتر انداز میں یہ کام کر سکتے تھے۔'' پنڈت نہرو کی یہ بات سن کر لیاقت علی خان کو چپ سی لگ گئی۔ آج اخبارات میں خبر ہے کہ لاہور میں شراب کی ''لائسنس یافتہ'' تین نئی دکانیں کھل گئی ہیں۔ اس طرح سرکار کی اجازت سے اب لاہور میں شراب خانوں کی تعداد پانچ ہوگئی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ دکانیں ہیں جن کو سرکار کا ''اجازت نامہ'' حاصل ہے۔ اس کے علاوہ جو شراب بکتی ہے اور جہاں جہاں بکتی ہے، اس کا ذکر ہی کیا؟ کسی بھی بڑے ہوٹل کے باہر اور اندر اس کے فروخت کنندگان اور خریداروں کو آسانی سے تلاش کیا اور دیکھا جاسکتا ہے۔ ہر ماہ کروڑوں کی شراب پینے والے کے ''زندہ دلاں'' شباب کا ستیا ناس کرتے ہیں۔ پورے ملک میں اس حرام اور غلیظ مشروب کی دستیابی اور استعمال ایک کھلی راز ہے۔ دوقومی نظریہ جس کو بنیاد بنا کے، یہ ملک حاصل کیا گیا، وہ کہاں گیا؟ یہ جاننے کیلئے ہمیں تاریخ میں جھانکنا ہوگا۔ اندرا گاندھی نے تو یہ کہا تھا کہ ''مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ہم نے دوقومی نظریہ بحیرہ عرب میں غرق کر دیا۔ جبکہ ہمارے خیال میں یہ نظریہ ہم نے سے کہیں پہلے شراب میں ڈبو کے مار دیا تھا۔ یہ بے چارہ تو اسی روز مر گیا تھا جب کراچی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت نے شراب کی دکان کھولنے کا پہلا لائسنس جاری کیا تھا۔ ہندوستان کے مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ صرف اور صرف اسلام کے نام پر تھا۔ اگر بیچ میں کہیں اسلام نہ ہوتا تو قیام پاکستان کی تحریک ۱۹۴۷ء سے بہت پہلے مرکھپ گئی ہوتی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے گھر بار صرف دین کے نام پر لٹوائے۔ بہو بیٹیوں کے عفت مآب آنچل مذہب کے سنہری سپنے دیکھتے دیکھتے کانٹوں میں الجھ گئے۔ آج ہمارے سپہ سالار اعظم اور ان کی ٹیم، دین دار لوگوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتی ہے کہ ''بنیاد پرست اور انتہاء پسند'' ملک کی مجموعی آبادی کا بڑی مشکل سے 2% ہیں، باقی 98% عوام کی اکثریت (سیکولرازم کی بدبودار چادر میں لپٹے) لبرل اور روشن خیال ''اسلام'' کو پسند کرتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے بیانات پڑھ کے بے اختیار ہنسی چھوٹ جاتی ہے کہ اتنی بڑی خلاف واقعہ بات، پھر اس پر اصرار اور وہ بھی ملک کے ذمہ دار طبقے کی طرف سے۔ جناب والا! وہ اٹھانوے فیصد بھاری اکثریت کہاں ہے؟ وہ کن پہاڑوں کے

غاروں میں سو رہی ہے؟ اسے بیدار کیجئے اور اس کے درن کرائیے۔ ہم حیران ہیں اور حیرت کا شکار ہیں کہ ملک کی یہ روشن خیال اکثریت گزشتہ دنوں ''یوم یکجہتی پاکستان'' پر اور اس کے بعد تا حال آپ کے دعوے کی تصدیق کیلئے کہیں نظر نہیں آئی۔ اس کا دیدار ہونا چاہیے اور برسر عام ہونا چاہیے۔ مگر یہ ہوگا نہیں کیونکہ زمینی حقائق (Ground Realities) آپ کے دعوے کا ساتھ نہیں نبھا رہے۔ آپ اکیلے اور پہلے آدمی نہیں جنہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ اسی طرح پہلے بھی کئی لوگوں نے یہ نعرہ لگایا مگر ثبوت لینے کو گئے اور اب تک نہیں پلٹے۔ اس ملک کی بنیادوں میں اسلام کے شیدائیوں کا مقدس لہو ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ یہ ملک اب تک قائم ہے (اللہ اسے تا قیامت آباد رکھے، آمین) ایسے لوگوں سے ہماری یہ گزارش ہے کہ کیا وہ بتلانا پسند کریں گے کہ اس آزادی اور اسلامی مملکت کے قیام کیلئے جن ماؤں کی گودیں اجڑ گئیں اور جن کے جگر پاروں کو نیزوں اور برچھیوں پر موت کی ''لوری'' دی گئی ان میں لبرل اور روشن خیال کتنی تھیں؟ ان شہیدوں کے مقدس لہو سے بے وجائی اب بند ہو جانی چاہیے۔ اور ملک کو ترکی یا مصر کی ڈگر پر ڈالنے کی ناکام کوششیں رکنی چاہئیں۔ برسوں بعد قائم ہونے والی اسلامی امارت کا وجود بظاہر مٹ چکا، اور یہ اچل سندیسے اسلام آباد کے راستے کندھار گئے۔ ہائے افسوس صد افسوس! ہم نے کلمہ گو بھائیوں کا شکار کھیلنے کیلئے بھیڑیوں کو مدد اور راستہ فراہم کیا۔ میں سوچتا ہوں تاریخ ہمیں کس نام سے یاد رکھے گی؟ آنے والی نسلیں اپنا تعلق ہمارے ساتھ جوڑتے ہوئے شرم محسوس کریں گی، لیکن پھر خیال آتا ہے کہ اگلی نسلوں میں کوئی تو ہوگا، جو یہ بھی سوچے گا کہ شراب پسند ''مسلمان'' ____ برادر کش نکلے، تو اس میں حیرانی کیسی؟

(بقیہ از صفحہ ۴۴)

ہے، حضرت امیر المؤمنین کے ترجمان مولوی محمد طیب آغا نے کہا کہ ختم ہو سکتے ہیں مگر امریکہ کے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔ مغرب کی مادی ترقی سے مرعوب ذہن والے اور اس کی چکا چوند سے چندھیائے ہوئے لوگ، جن کے قلم ڈالروں میں بک گئے ہیں، جن کے سروں میں بزدلی اور خوف کی سڑاند سمائی ہوئی ہے۔ وہ ان باتوں کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن کے سپئر پارٹس تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں۔

بلاک نمبر 9 کالج روڈ ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462501

مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی

سبحانک ھذا بھتان عظیم

مظہری یزیدیت بمقابلہ عباسی یزیدیت

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور نے کچھ ماہ قبل ''مولانا امین اوکاڑوی نمبر'' شائع کیا تو اس میں حسبِ دستور سابق ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' کے بانی رئیس التحریر حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور اُن کے حلقۂ فکر کو جا بجا دشنام والزام کے ساتھ یاد کیا گیا تھا۔ ذیل میں، مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی نے ''حق چار یار'' کے مذکورہ ''نمبر'' کے حوالے سے سرپرستِ مجلّہ، مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی کے بعض اُن مغالطات کا تعاقب اور الزامات کا محاسبہ کیا ہے، جن کے مخاطب اور مورد خود مولانا سیالکوٹی ہیں۔

جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی کو میرے خلاف اپنے دل کی سالوں پرانی بھڑاس نکالنے کا موقع آخر ہاتھ آ ہی گیا۔ انہوں نے مجھے بھی عباسی گروہ میں شامل کرنے کی اپنی دیرینہ آرزو آخر پوری کر ہی لی۔

میں نے جب سے سبِ صحابہؓ پر مشتمل ان کی کتاب ــــ ''خارجی فتنہ'' حصہ اول ــــ پر اپنی کتاب ــــ ''سبائی فتنہ'' حصہ اول ــــ میں بھرپور اور مدلل تبصرہ کیا تھا اس دن سے ہی وہ اپنی فطرت کے مطابق مجھ پر عباسیت و یزیدیت اور خارجیت و ناصبیت جیسے اپنے گھڑے گھڑائے فتووں میں کوئی نہ کوئی فتوی داغنے کے لئے بہت ہی بے چین و بے قرار تھے۔ لیکن اس کے لئے ان کو کوئی بہانہ ہاتھ نہ لگا تھا اور نہ ہاتھ لگ ہی رہا تھا۔ یہاں تک کہ یزید سے متعلق مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے نام پر میرے ایک خط سے ان کو اس کا بہانہ تو ہاتھ لگ گیا۔ لیکن اب دل کا وہ پرانا ارمان نکالنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ اور مرنے سے پہلے پہلے اپنے جی کا یہ بخار نکالنا وہ ضروری سمجھتے تھے۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ ان کے ہی ماہنامہ ''حق چار یار'' کے مولانا اوکاڑویؒ نمبر نے ان کو اس کا موقع بھی فراہم کر دیا۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جیسے ان کو ہفت اقلیم کی سلطنت مل گئی ہو۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا، اس سے بروقت اور بھرپور فائدہ اٹھایا۔ میرے مذکورہ خط کے حوالے سے مجھے دیوبندیت سے نکال کر عباسی گروہ میں شامل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔

ذیل میں ہم اپنے خلاف قاضی صاحب کے اس فتوائے عباسیت و یزیدیت کی ہی حقیقت بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس کا پس منظر مختصر الفاظ میں بیان کر دینا مناسب ہے۔

اس مظہری فتوائے یزیدیت کا پس منظر: جناب قاضی صاحب کی مزاجی خصوصیات میں سے ایک بہت

بڑی خصوصیت جو ان کی ساری زندگی پر محیط ہے، یہ ہے کہ وہ ''اناولا غیری'' اور'' ہم چومن دیگر ے نیست'' کی ترنگ میں اپنے آپ کو ہی شعوری یا غیر شعوری طور پر بلا شرکتِ غیرے، دینِ حق کا بالخصوص سنیت اور دیوبندیت کا علمبردار بلکہ اجارہ دار خیال کرتے ہیں۔ کسی کو کسی مسئلہ میں اختلاف کا حق نہیں دیتے بلکہ اختلاف برداشت ہی نہیں کرتے۔ جو ان سے کسی بات میں اختلاف کرلے یا جس سے ان کو کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے ___ خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو ___ جھٹ سے اس کی سنیت و دیوبندیت، اخلاص وللہیت، عقل و دانش، علم وحکمت اور فہم و فراست، غرضیکہ سب کچھ ہی ناپنا شروع کر دیتے ہیں۔ عباسی، یزیدی، خارجی، ناصبی، غیر نظریاتی اور غیر دیوبندی جیسے پہلے سے گھڑے گھڑائے مظہری فتووں میں سے کوئی فتویٰ اس پر داغ دیتے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے اہل بدعت، اہل سنت پر'' گستاخِ رسول''، ''منکرِ درود'' جیسے گھڑے گھڑائے الزام تراشتے رہتے ہیں۔ ہمارے علم میں کوئی ایسا خوش نصیب انسان نہیں ہے، جس نے قاضی صاحب سے کسی بات میں اختلاف کیا ہو یا خود قاضی صاحب کو ہی اس سے اختلاف ہو گیا ہو اور وہ ان گھڑے گھڑائے مظہری فتووں کی زد میں نہ آیا ہو یا مظہری ناوک اندازیوں کا بری طرح نشانہ نہ بنا ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ہوں یا ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ ہوں یا مولانا ضیاء القاسمیؒ، مولانا عبدالشکور دین پوریؒ یا مولانا عبدالمجید ندیم، جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ ہوں یا حضرت مولانا محمد عبداللہؒ (خطیب لال مسجد، اسلام آباد) اُن میں سے کون ہے جو قاضی صاحب کی لتاڑ چھاڑ کا شکار نہیں ہوا، جس سے قاضی صاحب نے پیچ نہیں ڈالا، جس کی انہوں نے پگڑی نہیں اچھالی؟ موجودہ تحریکِ جہاد کے ایک نام ور قائد حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب مدظلہ پر مظہری عتاب وخطاب تو اس وقت بھی جاری و ساری ہے۔ دیکھیے! قاضی صاحب کو کوئی نیا اور تازہ شکار کب ملتا ہے اور مفتی صاحب کی قسمت کب جاگتی اور مظہری جال بلکہ جنجال سے ان کی جان کب چھوٹتی ہے؟ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب پر رحم وکرم کرے، ان کی دستگیری فرمائے اور جلد مظہری جال وجنجال سے ان کو چھٹکارا نصیب فرمائے! آمین!

قاضی ساری زندگی یہی کھیل کھیلتے رہے ہیں، اپنے کسی بھی مسئلہ میں مظہری رائے سے اختلاف کرنے والوں پر اپنے گھڑے گھڑائے مذکورہ فتوے ایسے داغتے اور ان کی عیب چینی وخردہ گیری ایسے کرتے رہے ہیں جیسے دینداری ودین فہمی، دینی بصیرت و دینی حمیت، اخلاص وللہیت، نیز عقیدے کی درستگی وعمل کی پختگی، نظریے کی پاسداری، مسلک کی حفاظت، سنیت کی نگرانی اور دیوبندیت کی نگہبانی کیلئے دنیا جہاں میں اللہ تعالیٰ نے بس ایک قاضی صاحب کو ہی پیدا کیا ہے۔ باقی سارا جہان ان صفات وکمالات سے کلّاً یا بعضاً محض کورا ہے۔

کان ربک لم یخلق لخشیتہ　　سوا ھم من جمیع الناس انسانا

ترجمہ: ''گویا تیرے رب نے اپنی خشیت کے لئے تمام لوگوں میں ان کے سوا کسی کو پیدا نہیں کیا''

پھر یہ بھی نہیں کہ مظہریت گزیدہ اگر اپنے مؤقف سے رجوع کر لے اور اپنی بات واپس لے لے تو قاضی صاحب بھی اپنے فتوے سے رجوع کر لیں اور اس کو واپس لے لیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ اس کے رجوع اور توبہ تلا میں طرح طرح سے کیڑے ڈالنے اور مین میخ نکالنے لگ جاتے ہیں۔ وہ لاکھ چیخے چلائے، ہزار روئے پیٹے، اپنی بات کی جتنی اور جیسی چاہے وضاحتیں کرے، اپنے کئے کہے پر جتنا چاہے ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے لیکن جب تک قاضی صاحب کا کلمہ نہ پڑھے، ان کے سامنے ناک سے لکیریں نہ کھینچے، کان نہ پکڑے، توبہ و رجوع کے انہیں کی طرف سے تلقین کردہ الفاظ بعینہ حرف بحرف ادا نہ کرے، کیا مجال جو قاضی صاحب اس کی کوئی وضاحت تسلیم کر لیں؟ ان کا رجوع مان لیں؟ اس کی توبہ تلا قبول کر کے اپنا فتویٰ واپس لے لیں۔

مظہری فتوائے یزیدیت کا طور طریق: پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ قاضی صاحب خود سے اختلاف کرنے والے جس کسی کو یزیدی و عباسی وغیرہ وغیرہ بنانا چاہتے ہیں، اس کی کسی کتاب، کسی مضمون یا کسی تقریر و تحریر میں فی الواقع کوئی بات یزیدیت و عباسیت والی موجود بھی ہو۔ اگر موجود ہوئی تو فبہا، پھر ان کو فتوائے یزیدیت والا اپنا شوق پورا کرنے اور اپنی برتری جتانے اور منوانے میں کچھ بھی دیر نہیں لگتی۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات اس کی تقریر و تحریر میں کہیں موجود نہ ہو تو قاضی صاحب خود ہی ادھر ادھر کے صغرے کبرے اور قیاس قلابے جوڑ کر اس کا سامان مہیا کر لیتے ہیں۔ اس کے لئے وہ کئی طریقے اور کئی حربے اختیار کیا کرتے ہیں۔

(الف) سب سے پہلے اپنی مشیخت اور بزرگی کا رعب باندھ بٹھا کر میدان مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ علماء دین و مفتیانِ شرع متین کی تائید اور عامۃ المسلمین کی رائے کہیں دوسری طرف نہ چلی جائے اپنی قد آوری اور شخصیت کو اجاگر کرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے بلکہ چھوٹتے ہی پہلے اپنا آپ بتلاتے اور پھر کوئی دوسری بات کرتے ہیں۔ مقصد اپنا آپ بتلانے میں اتنی جلدی کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ میں چونکہ امام اہل السنۃ اور وکیلِ صحابہؓ کہلاتا ہوں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے اجل خلیفہ کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہوں۔ اس لئے خواص و عوام یہ معلوم کر کے کہ مسئلہ زیرِ بحث میں دوسرا فریق میں ہوں تو وہ اگر میری تصویب و تائید نہ کریں تو میرا تخطئہ و تردید بھی کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ نیز میرے مدمقابل کی اگر تردید و تکذیب نہ کر سکیں تو کم از کم اس کی تائید و تصدیق کی بھی ہمت ان کو نہ ہو سکے۔

(ب) اُن سے اختلاف کرنے والا اگر کسی مدرسہ یا ادارہ سے وابستہ ہو تو اپنی شخصیت کے بل بوتے پر وہاں سے اس کو نکلوانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہاں سے اس کا نکالا جانا ہی اس کے عباسی و یزیدی ہونے کی دلیل ہو جائے اور اسکی علیحدہ سے کوئی دلیل قاضی صاحب کو دینی نہ پڑے۔

(ج) اور اگر اس ادارے کے اربابِ حل و عقد قاضی صاحب کی یہ خواہش پوری نہ کریں تو پھر وہ ان کو بھی آڑے ہاتھوں

لینے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنے جن مخصوص مسائل کے حوالہ سے وہ لوگوں کو خارجی و ناصبی یا عباسی و یزیدی بناتے رہتے ہیں ان میں سے کسی مسئلہ سے متعلق اس ادارہ کے دارالافتاء سے اپنے کسی حوالی موالی کے ذریعہ استفتاء کرواتے ہیں۔ تاکہ جواب اگر مظہری موقف کے مطابق آئے تو ادارے کے ارباب حل وعقد پر زور ڈالا جائے کہ ادارے کے فلاں مدرس یا ملازم کا نظریہ چونکہ تمہارے نظریے سے مختلف ہے لہذا اس کو بیک بینی و دو گوش اپنے ادارے سے فوراً چلتا کر دو ورنہ سمجھا جائے گا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور اگر جواب، مظہری موقف کے مواقف نہ آئے تو پھر ادارہ کے ارباب حل وعقد پر بھی عباسیت و یزیدیت وغیرہ کا مظہری فتویٰ داغ دیا جائے۔

(د) اور ایک طریقہ مظہری فتوائے یزیدیت داغنے کا، گھیراؤ اور الجھاؤ ہے۔ یعنی قاضی صاحب جس کو عباسی و یزیدی وغیرہ بنانا چاہتے ہیں اس کی اپنی کسی تقریر و تحریر سے اگر کوئی بات عباسیت و یزیدیت والی ان کے ہاتھ نہ لگے تو پھر ایسی کوئی بات حیلے حوالے سے زبردستی اس سے اگلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنے کسی حوالی موالی کے ذریعہ اس کو ایسے ایسے سبائیانہ تقابلی سوالات پر مشتمل خطوط بھجواتے ہیں کہ جن کے جواب میں، ان کے خیال کے مطابق، مجیب کے لئے مظہری فتوائے یزیدیت کا بری طرح نشانہ بننے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوتا ہے کہ مجیب اگر اس مظہری چال سے واقف نہ ہو یا اس کا اس چال کی طرف دھیان نہ گیا ہو تو وہ اپنے ہی جواب کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ یا تو اس کو مظہری کلمہ پڑھنا پڑتا ہے یا مظہری فتوائے یزیدیت کا نشانہ بننا پڑتا ہے، جس پر قاضی صاحب بڑے فاتحانہ انداز میں یوں گنگنانے لگتے ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں　　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

(ہ) اور اگر وہ شخص جس کو قاضی صاحب، عباسی و یزیدی وغیرہ بنانا چاہتے ہوں، مذکورہ بالا مظہری طریقوں میں سے کسی طریقہ سے بھی یہ کچھ نہ بنتا ہو تو پھر اس کو یہ کچھ بنانے کا ایک مظہری طریقہ یہ ہے قاضی صاحب اس کی عباسیت و یزیدیت کی تحقیق و تفتیش کا دائرہ اس کے حلقۂ احباب تک وسیع کر لیتے ہیں۔ یعنی اگر اس شخص کی اپنی کسی تقریر و تحریر میں کوئی بات ایسی نہ مل سکے، جس کو قاضی صاحب اس کی عباسیت و یزیدیت کے لئے بہانہ بنا سکیں تو پھر وہ اس مقصد کے لئے اس کے میل ملاقات والوں کی تقریروں، تحریروں کی چھان پھٹک شروع کر دیتے ہیں، ان میں سے کسی کی تقریر و تحریر سے اگر کوئی بہانہ ہاتھ لگ جائے یا ان میں سے کسی کے خلاف کسی وقت عباسیت و یزیدیت کا فتویٰ، مظہری دربار سے صادر ہو چکا ہو تو اُسی کے بہانے، اُسی کے حوالے سے اپنے زیر عتاب شخص کو یوں عباسی و یزیدی وغیرہ بنا ڈالتے ہیں کہ اس شخص کا فلاں فلاں سے تعلق اور میل ملاپ ہے اور وہ فلاں فلاں چونکہ عباسی و یزیدی وغیرہ ہیں لہذا یہ بھی عباسی و یزیدی ہی ہوگا۔

(و) اور اگر اس راہ سے بھی اپنے سے اختلاف کرنے والے کو عباسی و یزیدی بنانے میں قاضی صاحب کامیاب نہ ہو سکیں تو یہ نہیں کہ وہ اپنا ارادہ ترک کر دیں۔ اپنے حریف کا عباسی و یزیدی نہ ہونا مان لیں یا کم از کم اس کو یہ کچھ زبردستی بنانے سے

باز ہی آجائیں، نہیں! ہرگز نہیں!! بلکہ وہ اپنے ارادے پر بڑی سختی سے قائم رہتے ہیں۔ اس کو جیسے کیسے عباسی و یزیدی بنا کر ہی دم لینے کے عزم بالجزم کے ساتھ اس کی آئندہ کی تحریروں اور تقریروں پر متجسسانہ نگاہ رکھے رہتے ہیں۔ اس تلاش اور ٹوہ میں رہتے ہیں کہ اس کی گزشتہ کی نہیں تو آئندہ کی ہی کسی تحریر و تقریر سے کوئی ایسی بات ہاتھ لگ جائے جس کو بہانہ بنا کر وہ اس کو عباسی و یزیدی بنا سکیں۔ پھر جوں ہی ان کو اس کا کوئی بہانہ ہاتھ لگتا ہے تو فوراً ہی اس کو یزیدی و عباسی بنا ڈالتے ہیں۔

مظہری بے بسی: یہ وہ مظہری طور طریقے اور حیلے حوالے ہیں جو قاضی صاحب اپنے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں کو عباسی و یزیدی وغیرہ بنانے میں اختیار و استعمال کیا کرتے ہیں۔ میں نے بھی چونکہ قاضی صاحب سے اختلاف کیا تھا اور کسی ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ مجموعی طور پر ان کی پوری کتاب ــــــ ''خارجی فتنہ'' حصہ اول ــــــ سے اختلاف کیا تھا، اس کے ایک حصے اپنی کتاب ــــــ ''سبائی فتنہ'' حصہ اول ــــــ میں مفصل و مدلل تبصرہ کیا تھا (بقیہ حصہ پر تبصرہ، ان شاء اللہ ''سبائی فتنہ'' جلد دوم میں آئے گا)۔ لہٰذا میں ان کی لتاڑ چھتاڑ اور مظہری فتوائے عباسیت و یزیدیت کی یلغار سے کیسے بچ سکتا تھا؟ چنانچہ جوں ہی میری ہی بھیجی ہوئی، میری کتاب ان تک پہنچی، جواب، میری مضبوط و مدلل گرفتوں کا ان کے پاس چونکہ تھا نہیں اس لئے انہوں نے اپنی فطرت اور ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے عباسی و یزیدی اور خارجی و ناصبی بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے وہ تمام طور طریقے اور حیلے حربے آزمائے جو اس مجبوری کے وقت وہ آزمایا کرتے ہیں۔ وہ تمام داؤ پیچ کھیلے جو اس موقع پر وہ کھیلا کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود نہ تو مجھے عباسی و یزیدی بنا سکے نہ اس کا کوئی ثبوت ہی پیش کر سکے اور نہ ہی وہ ایسا کر سکیں گے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ .....

(الف) جب ہم نے سبِّ صحابہؓ پر مشتمل ان کی کتاب ''خارجی فتنہ'' حصہ اول پر اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' حصہ اول میں مفصل و مدلل تبصرہ کیا تو قاضی صاحب نے اپنے ڈیڑھ پونے دو سالہ جوابی تبصرے میں سب سے پہلے میری کتاب کے حوالے سے مجھے خارجی و ناصبی اور عباسی و یزیدی بنانے کی سرتوڑ کوشش کی، بہت پیچ و تاب کھائے۔ بڑے ہاتھ پاؤں مارے۔ ایک دو دفعہ تو اس کے لئے نہایت دور دور کی کوڑیاں بھی لائے لیکن اپنی پوری تگ و تاز کے باوجود مجھ پر اپنا مظہری فتوائے یزیدیت داغنے کی جرأت نہ کر سکے۔

(ب) جب اس طرح مجھے یزیدی وغیرہ نہ بنا سکتے تو پھر اپنی مشیخت و بزرگی کے زور پر میدان مارنا چاہا لیکن ساری زور آزمائی کے باوجود اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

(ج) پھر انہوں نے مجھے مدرسہ سے نکلوانے والا مظہری حربہ آزمایا۔ خود تو اشاروں اشاروں میں اور اپنے حوالی موالی کے ذریعے صریح لفظوں میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم پر زور ڈالا کہ وہ ابو ریحان کو اپنے مدرسہ سے نکال دیں تاکہ وہ، مجھے تیر نہیں تو تنکے سے ہی عباسی و یزیدی بنا ڈالیں۔ لیکن ان کا یہ حربہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا، مولانا مرحوم چونکہ میرے عقائد و نظریات سے خوب اچھی طرح واقف تھے اور آج سے نہیں بلکہ سالہا سال سے واقف تھے اس لئے وہ قاضی

صاحب اور ان کے حوالی موالی کے رعب میں نہ آئے اور انہوں نے مجھے اپنے مدرسہ سے نہ نکالا۔

(د) پھر وہی کچھ ہوا جو ہونا تھا اور جو ہوا کرتا ہے کہ قاضی صاحب، مجھے چھوڑ کر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم کو یزیدی بنانے کے پیچھے پڑ گئے ___ مقصد اس سے اپنے معتقدین کو یہ باور کرانا تھا کہ جب مولانا محمد عبداللہ، یزیدی ہیں تو لامحالہ ان کے جامعہ کا مدرس ابو ریحان سیالکوٹی بھی یزیدی ہی ہوگا تبھی تو وہ ہمارے کہنے کہلانے کے باوجود اس کو اپنے جامعہ سے فارغ نہیں کر رہے، لیکن قاضی صاحب اپنا سارا زور مارنے کے باوجود بھی مولانا مرحوم کا یزیدی ہونا ثابت نہ کر سکے (یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے نیز دلچسپ اور بڑی مضحکہ خیز بھی، اگر اللہ کو منظور ہوا تو پھر کبھی اپنے قارئین کو سنائیں گے) جب انہی کا یزیدی ہونا قاضی صاحب سے ثابت نہ ہو سکا تو ان کے حوالے سے مجھ ابو ریحان کا عباسی و یزیدی ہونا ان سے کیا خاک ثابت ہوتا؟

(ہ) جب اس راہ سے بھی قاضی صاحب مجھے عباسی و یزیدی نہ بنا سکے تو پھر انہوں نے مظہری فتوائے یزیدیت داغنے کا گھیراؤ اور الجھاؤ والا مظہری طریقہ اختیار کیا۔ یعنی عباسیت و یزیدیت والی کوئی بات مجھے چکر دے کر زبردستی مجھ سے اگلوانے کی کوشش کی۔ اس کے لئے اپنے بعض حوالی موالی کے ذریعہ، سبائی ٹکسال میں ڈھلے ہوئے چند تقابلی سوالات مجھ پر کروائے۔ میں چونکہ وہ کچھ نہ تھا جو کچھ قاضی صاحب مجھے بنانا چاہتے تھے یعنی عباسیت و یزیدیت والی کوئی بات نہ میرے حاشیۂ خیال میں تھی نہ نہاں خانۂ دل و دماغ میں اس لئے ان سبائیانہ سوالات کے جواب میں سائلین کے مطلب کی کوئی بات میں نے نہ کہنی تھی نہ کہی۔ لہٰذا قاضی صاحب کو یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

(و) جب قاضی صاحب، مجھے براہِ راست یزیدی و عباسی بنانے میں ہر طرح سے ناکام رہے اور اس سلسلے میں ان کے مذکورہ تمام مظہری طور طریقے اور حیلے حربے فیل ہو گئے تو اب انہوں نے میرے میل ملاقات والوں کے حوالے سے مجھے یہ کچھ بنانا چاہا۔ چنانچہ ہاتھ گھما کر ناک پکڑتے ہوئے یہ اشقلہ چھوڑا کہ ''ابو ریحان کی کتاب ___ ''سبائی فتنہ'' ___ چونکہ ''نقیبِ ختم نبوت'' والوں نے شائع کی ہے اور ''نقیبِ ختم نبوت'' ملتان کھلم کھلا یزید کا حامی ہے، اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابو ریحان بھی یزید کو صالح و عادل حکمران ہی مانتے ہیں۔ واللہ اعلم!'' (ملخصاً بلفظہ)

ظاہر ہے کہ یہ مظہری اشقلہ بھی مجھے یزیدی نہیں بنا سکتا تھا۔ کیونکہ کسی کتاب کے طابع و ناشر اور مصنف کا ہم عقیدہ و ہم مسلک ہونا دنیا کے کسی قانون میں بھی ضروری اور لازم نہیں ہے۔ آج کل بڑی بڑی اسلامی کتب، مستشرقین یہود و نصاریٰ کی تحقیقات و تعلیقات کے ساتھ انہی کے ہاتھوں شائع ہو کر آ رہی ہیں تو کیا قاضی صاحب یہاں بھی یہی کہیں گے کہ ان کتابوں کے مصنفین (العیاذ باللہ) یہود و نصاریٰ کے ہم عقیدہ و ہم مسلک ہو گئے تھے؟ قاضی صاحب جانتے ہی ہوں گے کہ لکھنؤ کے مطبع نو لکشور نے قرآن اور علومِ دینیہ کی کتنی طباعت و اشاعت کی ہے اور یہ بھی جانتے ہوں گے کہ مطبع کا مالک، منشی نولکشور غالباً ہندو غیر مسلم تھا تو کیا قاضی صاحب ان تمام کتابوں کے مصنفین کو ہندو و غیر مسلم کہیں گے جو اس کے مطبع سے شائع ہوئیں؟

خود قاضی صاحب کی کتاب ''خارجی فتنہ'' سے دشمنانِ صحابہؓ، اہل السنۃ کے مقابلہ میں استدلال کرتے پھرتے ہیں تو کیا قاضی صاحب اپنے آپ کو بھی دشمن صحابہؓ کہلانا پسند کریں گے؟ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر کوئی شخص بالکل یہی طرزِ استدلال خود قاضی صاحب کے بارے میں اختیار کرتے ہوئے یوں کہنے لگے کہ'' قاضی صاحب، رئیس المناظرین مولانا ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر ساکن بھیں کے فرزند ارجمند ہیں اور وہ چونکہ بریلوی عقیدے کے تھے۔لہذا قاضی صاحب بھی بریلوی ہیں۔یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ قاضی صاحب اپنے بارے میں یہ استدلال برداشت بھی کرسکیں گے۔تو کیا پھر یہ کھلم کھلا دھاندلی نہیں ہے کہ جو استدلال قاضی صاحب اپنے بارے میں برداشت بھی نہ کرسکیں وہ دوسروں کے حق میں بلاتکلف استعمال کرتے چلے جائیں؟

پھر یہ سب بھی تب ہے جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ''نقیبِ ختم نبوت'' ملتان واقعی یزید کا کھلم کھلا حامی ہے اور یہ کہ اس کا کھلم کھلا حامی ہونا کوئی بہت بڑا شرعی پاپ اور گناہ بھی ہے۔ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ''نقیبِ ختم نبوت'' والے آج سے نہیں بلکہ چھبیس ستائیں سال سے یزید کی نہیں بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں''مجلس ذکرِ حسینؓ'' منعقد کرتے چلے آرہے ہیں۔جس کو قاضی صاحب، یزید کی حمایت کرنا کہہ رہے ہیں وہ درحقیقت یزید کی حمایت نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ اور ان حضراتِ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کا دفاع ہے، جنہوں نے یزید کو خلیفہ بنایا، بنوایا اور مانا تھا۔اس کو دفاعِ صحابہؓ کی بجائے یزید کی حمایت کا نام دے کر''نقیبِ ختم نبوت'' والوں پر یزید کے حامی ہونے کا آوازہ کسنا قاضی صاحب کی بالکل ایسے ہی اپنی ایک ذاتی مجبوری ہے جیسے مجاہدینِ آزادی پر مولانا محمد کرم الدین دبیر ساکن بھیں، جیسوں سے''وہابی'' کا آوازہ کسوانا فرنگی کی ذاتی مجبوری تھی۔قاضی صاحب کو ساون کے اندھے کی طرح ہر اس شخص کی تقریر و تحریر میں یزید کی حمایت ہی نظر آتی ہے جو مظہریات میں ان کا کلمہ نہ پڑھتا ہو، اس لئے''نقیب'' والوں کے خلاف ان کے اس آوازے کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو میرے خلاف قاضی صاحب کا یہ اشغلہ یکسر ختم ہو جاتا ہے۔

آمدم برسرِ مطلب: الغرض قاضی صاحب نے اپنی فطرت اور ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے بھی عباسی و یزیدی بنانا چاہا۔اس کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے، بڑے پاپڑ بیلے، اپنے تمام مظہری طور طریقے، حیلے حوالے کام میں لائے لیکن ہر طرح کی حیلہ بازیوں کے باوجود مجھے داخلی یا خارجی کسی بھی حوالے سے عباسی و یزیدی نہ بنا سکے لیکن ماہنامہ''حق چاریار''''مولانا محمد امین اوکاڑوی نمبر''میں ان کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مجھے یہ کچھ بنانے کے لئے بے چین وہ برابر چلے آرہے تھے، اس کی خواہش ان کے دل میں اس وقت سے اب تک چٹکیاں برابر لیتی آرہی تھی، وہ مسلسل اس انتظار میں تھے کہ کوئی موقع ہاتھ لگے تو وہ مجھ پر اپنا فتوائے یزیدیت داغ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں، سو میرے اس مضمون کو بہانہ بنا کر اپنی دیرینہ خواہش پوری کرتے ہوئے انہوں نے بالآخر مجھے اپنے فتوائے یزیدیت کا نشانہ بنا ہی ڈالا۔بس ان

کے اسی فتویٰ کی حقیقت سے پردہ اٹھانا ہماری آج کی معروضات کا موضوع ہے۔

مظہری فتوائے یزیدیت کی حقیقت: مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی مرحوم کی دینی خدمات کا تعارف کرواتے ہوئے زیرِ عنوان ''یزیدیت'' قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

''اور بعض دیو بندیت کی طرف منسوب اہل علم نے بھی عباسی کی تحریرات سے متاثر ہوکر اس کا عقیدہ اپنا لیا۔ چنانچہ ابو ریحان مولوی عبدالغفور صاحب سیالکوٹی مؤلف کتاب ''سبائی فتنہ'' بھی اس زمرے میں شامل ہیں۔ مناظر اسلام مولانا اوکاڑوی ؒ نے یزیدیت کے رد میں بھی قلم اٹھایا، چنانچہ انہوں نے کھلا خط بنام ابو ریحان صاحب لکھا تھا جو ''تجلیاتِ صفدر'' جلد اول میں شائع ہوگیا ہے اور جس میں آپ نے اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ ان کو لا جواب اور بے بس کر دیا'' (ماہنامہ ''حق چار یار'' اوکاڑوی نمبر ص ۵۲)

اس مظہری فتوائے یزیدیت کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قاضی صاحب کا مقصد بسلسلۂ ردِّ یزیدیت مولانا اوکاڑوی کی خدمات کا تعارف کروانا نہیں بلکہ میری کتاب ''سبائی فتنہ'' کے جواب سے قابل رحم حد تک اپنی عاجزی و بے چارگی کی خفت مٹانا ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کے ممدوح مناظر اسلام صاحب کا کھلا خط صرف میرے ہی نام نہ تھا بلکہ ایک خط، مہتمم جامعہ یوسفیہ ہنگو ضلع کوہاٹ کے نام اور ایک خط مولوی ضیاء الرحمٰن صدیقی ہزاروی کے نام بھی تھا۔ اور یہ دونوں خط بھی ''تجلیاتِ صفدر'' میں درج تھے اور ابو ریحان کے نام کھلے خط کے آگے پیچھے درج تھے۔ ابو ریحان والا خط، ان دونوں خطوں کے درمیان درج تھا۔ قاضی صاحب کی نظروں سے وہ دونوں خط بھی یقیناً گزرے ہوں گے۔ اور ردِّ یزیدیت سے متعلق اوکاڑوی خدمت کی کل کائنات بھی میرے علم کے مطابق بس یہی تین خطوط تھے۔ اگر ان کا مقصد اس سلسلہ کی اوکاڑوی خدمت کا تعارف کروانا ہوتا تو وہ صرف ابو ریحان کے نام اوکاڑوی کھلے خط کا ہی ذکر نہ کرتے بلکہ اس سے آگے پیچھے کے دونوں خطوں کا ذکر نہیں تو کم از کم ان کی طرح اشارہ تو ضرور کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میرے نام اوکاڑوی کھلے خط کا ذکر تو کر دیا اور وہ بھی میری کتاب ''سبائی فتنہ'' کے حوالے سے کہ جس کا مسئلۂ یزیدیت سے کچھ بھی تعلق نہ تھا، اور دوسرے دونوں خطوں کا انہوں نے نام تک نہیں لیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب میرے خلاف اپنے اس فتوائے یزیدیت سے اس سلسلہ کی اوکاڑوی خدمات بیان کرنا نہ چاہتے تھے بلکہ وہ اس بہانے میرے خلاف اپنے دل کا پرانا ابال نکالنا اور اپنی شرمندگی مٹانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس بہانے میرے خلاف اپنے دل کی دیرینہ بھڑاس نکالتے ہوئے مجھ پر یہ چند سطری فتوائے یزیدیت داغ کر اپنے خیال میں میرے کتاب کے جواب کا قرضہ چکایا تھا۔ ☆☆☆

سید عطاء المحسن بخاریؒ...... خوش گوار یادیں

مولانا مشتاق احمد

غالباً ۱۹۸۳ء کا واقعہ ہے کہ احقر جامعہ عربیہ چنیوٹ کا ابتدائی طالب علم تھا۔ اشتہار شائع ہوئے کہ ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ مدرسہ عثمانیہ کی سالانہ تقریب میں خطاب فرمائیں گے۔ چند دوسرے طلباء کے ساتھ میں بھی جلسہ سننے کے لئے گیا۔ مرزا کی سائیکل کی طرح جلسہ گاہ کا عجیب وغریب منظر تھا۔ کھلا میدان جلسہ گاہ تھا۔ دور افتادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ صد سامعین تھے۔ پوری جلسہ گاہ میں صرف ایک ہی بلب روشن تھا۔ جلسہ گاہ پہنچے تو ایک کلین شیو صاحب تقریر کر رہے تھے۔ حیران ہوئے کہ دینی مدرسہ کا جلسہ ہے اور مقرر کلین شیو؟ یہ صاحب محترم ملک رب نواز ایڈووکیٹ تھے۔ ملک صاحب کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ تقریر کے لئے تشریف لائے تو ہماری ''حیرانگی'' مزید بڑھ گئی کہ کیا شاہ صاحبؒ بھی کلین شیو ہیں؟ شاہ صاحبؒ کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جلسہ گاہ کا اکلوتا بلب اس طرح نصب تھا کہ ہمیں شاہ صاحبؒ کی مختصر سی داڑھی نظر نہ آ سکی۔ بہر حال اسی حیرانی و پریشانی میں جلسہ سے واپسی ہوئی، بعد میں معلوم ہوا کہ ان کی داڑھی قدرتی طور پر مختصر سی ہے۔ جلسہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جیسے ہی شاہ صاحبؒ نے خطاب شروع کیا۔ ایک صاحب نے جانے کے لئے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر لیا۔ شاہ صاحبؒ کو غصہ آ گیا اور کہا موٹر سائیکل بند کرو۔ وہ بھی بڑا ڈھیٹ تھا، کہا ماننے کی بجائے موٹر سائیکل پر جلسہ گاہ کا ایک چکر لگایا اور پھر گیا۔

شاہ جیؒ کی اس تقریر کا ایک فرمودہ اب تک یاد ہے کہ آپ نے جعلی پیروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مریدوں کے گھروں کا سال میں ایک دو دفعہ دورہ کر کے نذرانہ وصول کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے والد مرحوم کے معتقدین و مریدین جو کہ پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں کے گھروں کا ایک سالانہ چکر ہی لگا لیا کریں، نذرانہ لینے کے لئے تو سونے کے محلات تعمیر کر لیں لیکن ہم ایسا نہیں کرتے۔ ہمارا ضمیر ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا''۔

طالب علمی کے دور میں دو تین دفعہ ۱۲/ ربیع الاول کے موقعہ پر چناب نگر (ربوہ) سالانہ جلوس میں شاہ جیؒ کے خطابات سنے۔ شاہ صاحبؒ دوران خطاب کئی انگریزی فقرے بول جاتے تھے۔ جن سے ہمارے جیسے انگریزی سے نابلد محظوظ نہ ہو سکتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر شاہ جیؒ نے مرزا طاہر احمد (سربراہ قادیانیت) کو چیلنج دیا تھا کہ تو مجھ سے مباہلہ کرنا چاہتا ہے تو مباہلہ کر لے، مناظرہ کرنا چاہتا ہے تو مناظرہ کر لے، اگر کشتی کرنا چاہتا ہے تو کشتی کر لے۔ اگر ایک ہی تھپڑ سے

تجھے نہ گرادوں تو بخاریؒ کا بیٹا ہی نہیں۔تو حق و باطل میں امتیاز کے لئے جو طریقہ پسند کرتا ہو اس کے مطابق میدان میں آ۔۔۔۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی لکھتا چلوں کہ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی مدظلہ ۲۶ فروری کو ہر سال مرزا محمود کو دی گئی۔دعوت مباہلہ کی یاد میں سالانہ ''فتح مباہلہ کانفرنس'' منعقد کرتے ہیں۔ایک سال دریائے چناب کے دو پلوں کے درمیان واقع وادی عزیز میں خطیب دلپذیر حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری مرحوم و مغفور نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مرزا قادیانی ہوگیا آنجہانی۔مرزا محمود ہوگیا نامسعود، مرزا ناصر ہوگیا خائب و خاسر، مرزا طاہر آباہر، شاہ جیؒ مولانا چنیوٹی سمیت بیسیوں علماء کرام نے مرزا طاہر کو للکارا لیکن وہ میدان میں آنے کی بجائے لندن بھاگ گیا۔قل جاء الحق وزھق الباطل

حضرت شاہ جیؒ سے پہلا باضابطہ رابطہ آج سے چند سال پہلے برادرم سید کفیل بخاری صاحب کے واسطہ سے ہوا۔جب احقر نے اپنی تالیف ''تضاداتِ مرزا قادیانی'' کی اشاعت کے لئے ان سے رابطہ کیا تو دار بنی ہاشم ملتان میں بارہا ملاقات رہی۔ایک بار عرض کیا کہ احقر کو، کوئی نصیحت فرمادیں تو فرمانے لگے۔واہ جی واہ! عجیب بات کہی۔آپ ماشاءاللہ! خود عالمِ دین ہیں۔میں آپ کو کیا نصیحت کرسکتا ہوں۔

ایک سفر میں ایک مولانا صاحب میرے ہمراہ تھے۔وہ پہلی دفعہ دارِ بنی ہاشم میں تشریف لائے تھے۔انہوں نے کہا کہ میرا جی تو آپ سے ملنے کو بہت چاہتا تھا۔ملتان کئی بار آیا لیکن آپ کے ہاں نہ آسکا۔شاہ جیؒ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔بالکل قصور نہیں ہے۔آپ ماحولیاتی آلودگی کا شکار ہوئے ہیں۔اس لئے ہمیں کوئی افسوس نہیں ہے۔اس پر وہ صاحب بہت سٹپٹائے اور چنیں چناں کرنے لگے لیکن شاہ جیؒ نے جو کہنا تھا، کہہ دیا۔

ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اسی سفر کا واقعہ ہے کہ آغاز سفر سے پہلے استاذ مکرم مولانا ملک خلیل احمد صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ عربیہ و جامعہ ملیہ چنیوٹ کے سامنے اپنا ملتان جانے کا پروگرام ظاہر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ شاہ جیؒ کو سلام دینا اور کہنا کہ کالم میں مغلظ الفاظ نہ لکھا کریں، احقر نے کہا کہ پہلے صرف سفوف مغلظ کا نام سنا تھا۔اب معلوم ہوا کہ الفاظ بھی مغلظ ہوتے ہیں۔بہرحال عند الملاقات یہ پیغام دیا تو شاہ جیؒ قہقہہ لگا کر ہنسے اور محظوظ ہوئے۔اصل میں مولانا خلیل احمد صاحب پیغام کے ذریعے یہ کہنا چاہتے تھے کہ شاہ جیؒ بہت مشکل الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ڈکشنری کے بغیر ان کے معانی کا پتہ نہیں چلتا۔یہ بات امر واقعہ تھی کہ شاہ جی

علم کا سمندر تھے۔ مشکل الفاظ استعمال کرتے ہوئے شاید انہیں احساس نہ ہوتا تھا کہ قارئین ان جیسے بحر العلوم نہیں ہیں۔

آخری چند ماہ میں جب شاہ جیؒ لاہور زیر علاج تھے، احقر اپنے محترم دوست مولانا محبوب الحسن طاہر صاحب خطیب جامع مسجد محمدیہ ریلوے اسٹیشن چناب نگر کے ساتھ مجلس احرار اسلام لاہور کے نئے دفتر واقع مسلم ٹاؤن میں عیادت کے لئے حاضر ہوا۔ شاہ جیؒ کو کافی تکلیف تھی، اضطراب چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ہلکی پھلکی بات چیت ہوتی رہی۔

ایک واقعہ قابل تحریر، جو یاد آیا یہ ہے کہ شاہ جیؒ نے حضرت لاہوریؒ کا ذکر چھیڑ دیا۔ فرمانے لگے کہ میں ایک دفعہ حضرت لاہوریؒ سے ملنے کے لئے گیا۔ اپنا تعارف کرایا۔ حضرت اپنے حجرہ میں لے گئے، بٹھایا اور پوچھا شاہ جیؒ! کیا کھاؤ گے؟ مجھے مزاح سوجھا، عرض کیا قلاقند کھاؤں گا۔ حضرتؒ نے اپنے پاس رکھی ہوئی ایک پلیٹ اٹھائی۔ کپڑا ہٹایا تو قلاقند تھی۔ فرمایا لو شاہ جی! کھاؤ! یہ واقعہ سنا کر شاہ جیؒ حضرت لاہوریؒ کی یاد میں بہت روئے۔ زیادہ تر گفتگو آف دی ریکارڈ تھی۔ احاطہ تحریر میں لانا مناسب نہیں ہے۔ جب دو گھنٹے بعد اٹھنے لگے تو خوش ہو کر بہت دعائیں دیں کہ آپ کے ساتھ کچھ دیر گفتگو کرنے سے میری آدھی تکلیف ختم ہو گئی ہے۔ کافی آرام محسوس کر رہا ہوں۔ اس ملاقات میں شاہ جیؒ کو لاہور میں نیا دفتر خریدنے پر جتنا مسرور اور تقریباً حالت وجد میں دیکھا، کبھی نہ دیکھا تھا۔

شاہ جیؒ سے آخری ملاقات ملتان میں ان کی وفات سے ایک دو ماہ پہلے ہوئی، شاہ جیؒ بیمار تھے۔ احقر زیر طبع مسودہ ''آئینہ قادیانیت'' ترتیب دے رہا تھا۔ اس لئے کچھ دیر حضرت کی مجلس میں بیٹھ سکا۔ شاہ جیؒ کے ہم عمر، ان کے ایک پڑوسی بہر ملاقات آئے۔ بڑے ہنس مکھ تھے۔ آتے ہی ایسے دو چار مزاحیہ جملے بولے کہ شاہ جیؒ اپنی تکلیف بھول گئے۔ جواب دیتے رہے اور مجلس بار بار کشتِ زعفران بنتی رہی۔ انہوں نے میرا تعارف پوچھا۔ شاہ جیؒ کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ صاحب اسے طنز و مزاح کا نشانہ بنائیں گے۔ فوراً کہا کہ اسے کچھ نہ کہنا، یہ چنیوٹ سے آئے ہیں، ہمارے مہمان ہیں۔ ہمارے لئے فرد خانہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ احقر اس آخری فقرہ سے بہت چونکا۔ اس عزت افزائی پر دل ہی دل میں بہت مسرور اور ان کا مشکور ہوا۔

احقر نے طالب علمی کے دور میں شاہ صاحبان کے غیظ و غضب کے کئی واقعات سن رکھے تھے۔ شاہ جیؒ کو ایک دفعہ چناب نگر میں اور ایک دفعہ ملتان میں شدید غصہ کے عالم میں دیکھا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ ان سے ملتے وقت ان کے ناگہانی غصہ کو برداشت کرنے کیلئے ذہنی طور تیار ہو کر جاتا تھا۔ ڈرتا تھا کہ کہیں میری باری نہ آ جائے۔ لیکن الحمد للہ! شاہ جیؒ کے متعلق یہ تمام وسوسے ہمیشہ غلط ثابت ہوئے۔ میں نے انہیں ہمیشہ شفیق و مہربان پایا۔ ان کی زبان میں شہد سے زیادہ مٹھاس پائی۔ حسن اخلاق، ظرافت، زندہ دلی ان کی مجلس کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ ان کی مجلس سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ دل سے دعا نکلتی تھی کہ یہ مجلسیں کبھی ختم نہ ہوں۔ شاہ جیؒ کی ایک خصوصیت جو انہیں دیگر بعض معاصر علماء سے ممتاز کرتی

تھی، کہ وہ خودغرضی کا شکار نہ تھے۔ دوسروں سے ہمدردی کرنا، کارکنوں کا خیال کرنا، سب کو ساتھ لے کر چلنا، ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ احقر نے ان کی یہ صفت صرف محسوس کی ہے۔ استفادہ کی نوبت نہیں آ سکی۔

احقر کا بارہا جی چاہا کہ یزید کے مسئلہ پر ہمارے ملک میں جو اختلاف پایا جاتا ہے شاہ جیؒ نے بھی اس بارے میں ایک مؤقف اختیار کر رکھا ہے۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کروں لیکن ان کا احترام، مصروفیت اور عوارضات سب اس سے مانع رہے ۔حتیٰ کہ شاہ جیؒ ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ بھی خیال رہا کہ میری اس طالب علمانہ کوشش کو کہیں مناظرہ نہ سمجھ لیا جائے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

ایک دفعہ برادرم مفتی مسعود الحسن تحسین اور میں، دارِ بنی ہاشم آئے۔ شاہ جیؒ نے کسی موضوع پر کہا کہ بڑا اچھا شعر تھا، یاد نہیں آ رہا۔ مفتی صاحب نے اسی مفہوم کا کوئی اور شعر سنا دیا۔ شعر سن کر فرمانے لگے کہ مفہوم تو درست ہے۔ لیکن شعریت مفقود ہے۔ مزہ نہیں آیا۔ اس سے احقر کو اندازہ ہوا کہ شاہ جیؒ ادب کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔

شاہ جیؒ اس قافلۂ حریت کا ایک فرد تھے جس نے دینی و اعتقادی وراثت کی حفاظت کی خاطر سینہ سپر ہونا فرض عین سمجھا۔ جس بات کو حق سمجھا اس پر قائم رہے، کسی ملامت و مذمت کی پروا نہیں کی۔ جرأت و بہادری، غیرت و حمیت ،ایثار و قربانی، محنت و لگن ان کا امتیاز رہا۔ سادہ مزاج رہے۔ عیش و آرام کو چھوڑا، مصائب جھیلے، عقیدۂ ختم نبوت کی چوکیداری کی، عظمت صحابہؓ کے ترانے گائے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت شاہ جیؒ کی خدمات کو قبول فرمائیں۔ ان کے درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیین سے نوازیں۔ ان کے مشن اور جماعت کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائیں۔ آمین! ثم آمین!

بقیہ از صفحہ ۶۲

☆ حاجی محمد عثمان غنی مرحوم (رکن مجلس احرار اسلام، حاصل پور)

☆ دختر مرحومہ حاجی محمد عبداللہ صاحب (پشاور)

☆ مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن محترم محمد عاطف صاحب (عمیر فیبر کس والے) کے ماموں زاد بھائی محمد عامر طویل علالت کے بعد ۲۷ نومبر، بروز منگل تلہ گنگ (ضلع چکوال) میں انتقال کر گئے۔

تمام اراکین ادارہ مرحومین کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور پسماندگان ولواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں ۔احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک کی مغفرت و رحمت بھری ساعتوں میں مرحومین کیلئے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ (ادارہ)

مسافرانِ آخرت

(ادارہ)

☆ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

پاک و ہند کے معروف عالم دین، حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی ۱۲ رمضان المبارک مطابق ۲۸ رمضان المبارک، بروز بدھ مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا بلند شہر سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ مظاہر العلوم سہارن پور میں تدریس کی۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم کراچی میں منصبِ تدریس پر فائز رہے۔ ۱۹۷۶ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی معیت میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ہجرت سے پہلے اپنے نام کے ساتھ بلند شہری لکھتے اور ہجرت کے بعد مہاجر مدنی لکھتے رہے۔ دراصل وہ مدینہ منورہ میں قیام کے بعد ہی بلند شہری ہوئے۔ تمام عمر خدمتِ دین سرانجام دی۔ دو سو سے زائد علمی، اصلاحی اور تحقیقی تصانیف ہیں، جو صدقۂ جاریہ اور توشۂ آخرت ہے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں بے مثال خدمات انجام دیں، کیا خوش نصیب انسان تھے، جنہیں مدینۃ الرسول ﷺ کی سکونت راس آ گئی اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

☆ شیخ محمد شریف مرحوم، ٹوبہ ٹیک سنگھ (مجلس احرار اسلام ملتان کے صدر، شیخ بشیر احمد کے برادر نسبتی، شیخ محمد معاویہ کے ماموں)

☆ بھیرہ کے ممتاز دینی و علمی گھرانے کے جواں سال خطیب مولانا محمد شفیق الرحمٰن علوی (خطیب جامع مسجد، محلہ حاجی گلاب) حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ مرحوم مولانا محمد رمضان علوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے مولانا حفیظ الرحمٰن علوی کے فرزند مولانا سعید الرحمٰن علوی مرحوم اور حافظ عزیز الرحمٰن خورشید (خطیب جامع مسجد فاروقیہ، ملکوال) کے چچازاد بھائی تھے۔

مجلس احرار اسلام کے رہنما اور تحریک آزادی کے عظیم مجاہد حضرت مفتی عبدالقیوم پوپلزئی رحمہ اللہ کی دختر اور محترم مفتی شہاب الدین پوپلزئی کی ہمشیر گزشتہ ماہ سعودی عرب میں انتقال کر گئیں۔

☆ مولانا منظور احمد شاہ آسی مرحوم (مرکزی مبلغ، مجلس تحفظ ختم نبوت مانسہرہ)

☆ والد مرحوم ڈاکٹر عبدالرب نیاز صاحب (ملتان)

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

خادم حسین

بچے وانگ کلیاں، مسل دتے سارے

اک پاسے کروز ، میزائل ، فائیٹر　　اک پاسے نہتے افغان سارے
اک پاسے ہنود ، یہود کافر　　اک پاسے کھرے مسلمان سارے
اک پاسے بلیئر تے بش ، پاول　　اک پاسے ذیشان ، نعمان سارے
اک پاسے سورمے سارے کٹھے　　مسلماناں دے خلاف بے ایمان سارے
بلی ،بوزنے ، سگاں نے رولا پایا　　چیخ رہے نے وحشی حیوان سارے
''راجہ گدھ'' ، سلطان ، افضال ، سیٹھی　　لکھدے کالم اینٹی طالبان سارے
یہود ، نصاریٰ نئیں دوست ہندے　　وچ لکھیا اے پڑھو قرآن ، سارے
اسلامی حکومت دے خاتمے لئی　　کٹھے ہوئے نے ، بون ، شیطان سارے
نائجیریا ، چیچن ، سوڈان ، ترکی　　تے فلسطین ، عراق نشان سارے
عیسائی ، یہود نے ظلم کیتا　　پس رہے نے صرف مسلمان سارے
کون حق دی آواز نوں روک سکیا　　حق سچ دے اے پہلوان سارے
جاوید چودھری ، خالدمسعود ، حامد　　مرزا اسلم ، ہارون ، عمران سارے
تے ستمبر گیاراں نوں یاد کرکے　　اتے روندے قارون ، ہامان سارے
مغزیات امریکہ دے فیل ہوئے　　دھرے رہ گئے ریڈار ، سامان سارے
مُلاعمر ، اسامہ ، ضعیف ، ایمن　　لڑدے رہن گے پیر ، جوان سارے
ہے ایمان تے اسلحے دی جنگ چلّیا!　　پورے کرے گا اللہ ارمان سارے

....

یواین او ، امریکہ جواب دیوے　　جے او شرم حیا نوں ہتھ مارے
بغیر وجہ دے اینا ظلم کیتا　　کئی ہزار پونڈ دے بم مارے
وینڈی چیمبر لین نوں کون پُچھے؟　　بیوہ عورتاں ، ماواں دے ہین ہاڑے
انسانی حقوق ایہو نے؟ جے　　بچے وانگ کلیاں ، مسل دتے سارے

قرآنی تعلیمات کا مرکز ✿ قائم شدہ ۲۸، نومبر ۱۹۶۱ء

بیاد مجدد دینی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ✿ بانی: ابن امیر شریعت، محسن احرار مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ ملتان میں

4 درس گاہوں کی تعمیر کے لئے 5 لاکھ روپے کی فوری ضرورت احباب خیر توجہ فرمائیں

نقد و سامانِ تعمیر عنایت فرما کر اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں

بذریعہ بینک، چیک یا ڈرافٹ بنام مدرسہ معمورہ حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

☆ الحمد للہ درجہ حفظ و ناظرہ تعلیم قرآن کریم، درجہ کتب درس نظامی اور شعبہ پرائمری میں اس وقت 150 طلباء زیر تعلیم ہیں ☆ 7۔ اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ☆ 50 طلباء مدرسہ میں رہائش پذیر ہیں ☆ طالبات کیلئے جامعہ بستانِ عائشہ قائم ہے جس میں حفظ قرآن کریم اور دورہ حدیث تک تعلیم دی جاتی ہے ☆ مدرسہ معمورہ، مجلس احرار اسلام کے شعبہ تعلیم ''وفاق المدارس الاحرار'' سے ملحق ہے ☆ ملک کے مختلف شہروں میں 36 دینی مدارس وفاق المدارس الاحرار کے زیر انتظام چل رہے ہیں ☆ 15 مدارس کے اخراجات وفاق کے ذمہ ہیں۔ ☆ مدرسہ معمورہ اور جامعہ بستانِ عائشہ کا وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے الحاق ہے اور اسی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جا رہی ہے۔

الداعی الی الخیر: ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

مہتمم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون: 061-511961

وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت قائم دینی ادارے

اپیل: وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت قائم اڑتیس مدارس، قرآن وحدیث کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف ہیں۔ جس میں طلباء کی رہائش وظائف اور دیگر ضرورت، طعام، علاج کا ادارہ کفیل ہے۔ تعمیرات اور توسیع کے اخراجات علاوہ ہیں۔ اکثر مدارس کا خرچ وفاق کے ذمہ ہے جب کہ بعض مدارس اپنا خرچ خود پورا کرتے ہیں۔ اہل خیر سے درخواست ہے کہ اپنے عطیات اور زکوٰۃ صدقات عنایت فرما کر اللہ سے اجر پائیں۔

☆ مدرسہ معمورہ جامع ختم نبوت، دارِ بنی ہاشم ملتان، فون: 511961-016 ☆ مدرسہ معمورہ مسجد نور تغلق روڈ ملتان ☆ جامعہ بستان عائشہ (برائے طالبات) دارِ بنی ہاشم، ملتان فون 511356-061 ☆ جامع معاذؓ بدھلہ روڈ، ملتان (زیر تعمیر) ☆ مسجد طوبیٰ، 17 کسی۔ وہاڑی روڈ ملتان ☆ مدرسہ تعلیم القرآن مکی مسجد چوک حرم گیٹ ملتان ☆ مسجد مولوی محمد رمضان والی محلہ کوٹلہ تولے خان ☆ مدرسہ معمورہ۔ C-69 حسین سٹریٹ وحدت روڈ، نیو مسلم ٹاؤن۔ لاہور فون: 5865465-042 ☆ مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار۔ چناب نگر (ربوہ) جھنگ فون 211523-04524 ☆ بخاری پبلک سکول۔ چناب نگر (ربوہ ضلع جھنگ) ☆ احرار مرکز، مدنی مسجد، بخاری ٹاؤن۔ سرگودھا روڈ چنیوٹ، ضلع جھنگ (زیر تعمیر) ☆ مدرسہ ختم نبوت لال مسجد بستی کھچیاں چناب نگر ☆ مدرسہ فاروق اعظم، موضع اصحابہ چک کالی مال ضلع جھنگ ☆ مدرسہ محمودیہ، مسجد المعمور نا گڑیاں، ضلع گجرات ☆ دارالعلوم ختم نبوت، جامع مسجد چیچا وطنی فون 482253 ☆ دارالعلوم ختم نبوت، (احرار ختم نبوت سنٹر) مرکزی عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم چیچا وطنی ☆ مدرسہ و مسجد معاویہؓ جھنگ روڈ ٹوبہ ٹیک سنگھ ☆ مسجد صدیقیہ، کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ ☆ مدرسہ ابوبکر صدیقؓ جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ، تلہ گنگ، ضلع چکوال فون 412201-05776

☆ مدرسہ احرار اسلام مسجد سیدنا علی المرتضیٰؓ چکڑالہ ضلع میانوالی (زیر تعمیر) ☆ مدرسہ ختم نبوت نواں چوک گڑھا موڑ ضلع وہاڑی ☆ مدرسہ ختم نبوت، چشتیاں، (ضلع بہاولنگر) (زیر تعمیر) ☆ مدرستہ تعلیم القرآن جامع مسجد شبلی غربی حاصل پور (ضلع بہاولنگر) ☆ مدرستہ العلوم الاسلامیہ، جامع مسجد گڑھ موڑ۔ ضلع وہاڑی فون 690013-0693 مدرستہ البنات (برائے طالبات) گڑھا موڑ۔ ☆ مدرسہ معمورہ، مسجد صدیقیہ، میراں پور تحصیل میلسی ضلع وہاڑی ☆ مدرسہ ختم نبوت چک 76 بھگوان پورہ ضلع وہاڑی ☆ مدرسہ ختم نبوت گرین ٹاؤن نزد چونگی 8 لاہور روڈ بورے والا ضلع وہاڑی (زیر تعمیر) ☆ مدرسہ احرار اسلام بستی بھٹہ موضع نوڑ بہ تحصیل میلسی وہاڑی ☆ مدرسہ معمورہ، تعلیم القرآن۔ چک نمبر 158 الف 10.R جہانیاں ضلع خانیوال (زیر تعمیر) مدرسہ احرار اسلام مصطفیٰ آباد، کرم پور۔ ضلع وہاڑی ☆ مدرسہ معمورہ، الیاس کالونی، صادق آباد۔ ضلع رحیم یار خان ☆ مدرسہ احرار اسلام بستی میرک ضلع رحیم یار خان (زیر تعمیر) ☆ مدرسہ عربیہ محمودیۃ القرآن، چاہ کیکر والا موضع محبت پور ☆ مدرسہ دارالسلام، چاہ چڑھوئے والا، کلر والی، ضلع مظفر گڑھ ☆ مدرسہ معمورہ، معاویہ بستی مہرپور۔ ضلع مظفر گڑھ

ترسیل زر کیلئے

بذریعہ منی آرڈر: ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری ☆ مدیر وفاق المدارس الاحرار ☆ امیر مجلس احرار اسلام پاکستان۔ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ☆ بذریعہ بینک ڈرافٹ/چیک: بنام مدرسہ معمورہ ملتان، حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

دو روزہ
سالانہ

احرار ورکرز کنونشن

۱۱، ۱۲ / شوال ۱۴۲۲ھ 28-27 دسمبر 2001ء بروز جمعرات، جمعہ

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

زیر صدارت

قائد احرار

سید عطاء المہیمن بخاری

دامت برکاتہم

(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

سرفروشانِ احرار اور فدائینِ ختم نبوت کا ایمان افروز اجتماع

عنوانات

- ☆ عالم اسلام، خصوصاً افغانستان پر امریکی جارحیت
- ☆ پاکستان میں دینی جماعتوں کا مستقبل اور کردار
- ☆ قائدین احرار کے خطبات
- ☆ تربیتی نشست میں خصوصی لیکچر
- ☆ ملکی دفاع اور سلامتی کا تحفظ
- ☆ مجلسِ احرار اسلام کی پالیسی
- ☆ مجلسِ ذکر
- ☆ اجلاس مرکزی مجلسِ شوریٰ

کنونشن 27 / دسمبر، جمعرات ۹ بجے صبح شروع ہو کر 28 / دسمبر بعد نمازِ جمعہ اختتام پذیر ہوگا

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان فون: 511961 / شعبہ نشر و اشاعت: مجلس احرار اسلام پاکستان

Designed by: Al-Kitab Graphics Multan. 061-584604